تفسیر و حدیث میں

ہندوستان کا تذکرہ

ترجمہ کتاب

شمامة العنبر في ما ورد في الهند من سيد البشر (ﷺ)

تالیف

سان الہند سید غلام علی آزاد بلگرامی

ترجمہ، تقدیم و تخریج

سید علیم اشرف جائسی

ناشر

دار العلوم جائس رائے بریلی (یو پی)

Scanned by CamScanner

تفسیر وحدیث میں ہندوستان کا تذکرہ

ترجمہ کتاب

شمامة العنبر في ما ورد في الهند من سيد البشر (صلی اللہ علیہ وسلم)

تالیف

حسان الہند سید غلام علی آزاد بلگرامی

ترجمہ، تقدیم وتخریج

سید علیم اشرف جائسی

ناشر

دار العلوم جائس، رائے بریلی، یو.پی.

Noori Mission Malegaon

Scanned by CamScanner

(c) جملہ حقوق طبع ونشر بحق دارالعلوم جائس محفوظ ہیں

کتاب	تفسیر وحدیث میں ہندوستان کا تذکرہ
مصنف	سید علیم اشرف جائسی
صفحات	۹۸
باراول	دسمبر ۲۰۰۳ء
ناشر	دارالعلوم جائس، (ادارۂ احمدیہ اشرفیہ)، جائس، رائے بریلی، یو. پی
قیمت	۵۰ روپئے

"Tafseer-o-Hadith Mein Hindustaan Ka Tadhkira"

(Indo-Arab Literature)

Author : ***SYED ALIM ASHRAF JAISI***

Ist Edition : December, 2003

Published By : Daarul Uloom Jais

(Idaara-e Ahmadia Ashrafiah)

Jais, Raebareli, U.P. INDIA, Ph.05313-50282

Price: Rs, 50.00

Scanned by CamScanner

انتساب

مخدومہ امی کے نام

أطال اللہ عمرہا

اگر سیاہ دلم داغ لالہ زار توام
وگر کشادہ جبینم گل بہار توام

Scanned by CamScanner

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

جناب ڈاکٹر مسعود انور علوی کاکوروی صاحب☆

تعارف یا پیش لفظ عموماً کسی ایسے مصنف، مولف یا مترجم کی تخلیق پر لکھا جاتا ہے جو نو آموز یا غیر معروف ہو اور اس تحریر کے ذریعہ اس کو اعتبار بخشا جا سکے، لیکن یہاں دونوں امور مفقود ہیں یعنی نہ مترجم غیر معروف نہ مولف مجہول، میری مراد اس کتاب کے فاضل مترجم مولانا سید علیم اشرف جائسی سے ہے جو ایک مشہور علمی وروحانی خانوادہ اشرفیہ کے ایک فرد ہیں، اور اس سے پہلے بھی مختلف زبانوں میں ان کی متعدد نگارشات منصۂ شہود پر آ کر ارباب دانش اور صاحبان علم سے خراج تحسین حاصل کر چکی ہیں۔

زیر نظر تالیف حسان الہند علامہ سید غلام علی آزاد بلگرامی (۱۱۱۶ھ-۱۲۰۰ھ) کے مشہور رسالہ ''شمامۃ العنبر في ماورد في الہند من سید البشر'' (سنہ تالیف ۱۱۶۳ھ) کا سلیس و بامحاورہ اردو ترجمہ ہے جس پر مترجم نے ایک جامع محققانہ و عالمانہ مقدمہ بھی لکھا ہے اور احادیث مبارکہ کی تخریج بھی کی ہے۔

علامہ بلگرامی بھی کسی تعارف وتبصرہ کے محتاج نہیں، ہندوستانی عربی ادب میں ان کا حصہ بہت اہم اور وقیع ہے وہ عربی کے ایک صاحب طرز ونغز گو شاعر بھی تھے، اور ان کا کلام جو تقریباً سترہ ہزار اشعار پر مشتمل ہے، ہندوستانی عربی شاعری اور حب الوطنی کے باب میں بڑی اہمیت کا حامل ہے جس میں ان کی شاعرانہ مہارت، عبقریت، نازک خیالی اور جدت طرازی، حسین تشبیہات اور نادر استعارات جلوہ گر ہیں۔ حسان الہند اور ان کا پورا خاندان علمی وروحانی اور صوفیانہ ادبی ماحول کا پروردہ تھا، وہ خود بھی

☆ ریڈر شعبۂ عربی، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ۔

Scanned by CamScanner

سلسلۂ عالیہ چشتیہ سے وابستہ تھے جس کی بازگشت ان کی شخصیت کے ہر پہلو میں نمایاں ہے۔

ان کی زیر نظر تصنیف اپنے موضوع پر یقیناً ایک منفرد کتاب ہے، جو ہندوستان سے ان کی غیر معمولی محبت کی آئینہ دار بھی ہے۔ اس میں اس ملک سے متعلق تفسیر و حدیث کی کتابوں میں وارد روایتیں ہیں جنکی روشنی میں انھوں نے اپنی جانب سے نتائج اخذ کئے ہیں، اور تعارض کی صورت میں تطبیق و توجیہ کی کوشش بھی کی ہے، علاوہ ازیں جہاز رانوں اور سیاحوں وغیرہ کی وہ روایتیں بھی درج ہیں جن کو انھوں نے پڑھا یا بالواسطہ و بلا واسطہ سنا تھا۔ غرضیکہ اسلامی ادب میں ہندوستان کے متعلق جو کچھ ہے اس کو انھوں نے اس تالیف میں یکجا کر دیا ہے۔ بلاشبہ ان کی یہ دلچسپ و مفید کاوش ہندوستانی عربی ادب میں ایک گراں قدر سرمایہ کی حیثیت رکھتی ہے۔

ابتدا میں مترجم نے ان کی شاعری پر قدرے تفصیل سے روشنی ڈالی ہے اور ثابت کیا ہے کہ ان کے خیالات کو بعض متاخرین شعرا نے، جن میں نواب صدیق حسن خاں بھی شامل ہیں، اس طرح شعری قالب میں ڈھالا ہے کہ اسے کسی بھی توجیہ سے توارد نہیں کہا جا سکتا ہے۔

مولانا شبلی کی علامہ بلگرامی پر تنقید کے سلسلے میں بھی ان کی گفتگو اور محاکمہ مضبوط طریقہ استدلال کی بنا پر نہ صرف قابل غور بلکہ نا قابل انکار ہے۔

فاضل مترجم ہم سب کے شکریہ کے سزاوار ہیں کہ وہ علامہ بلگرامی کی اس نادر تصنیف پر عالمانہ مقدمہ اور مفید حواشی لکھ کر پہلی بار اسے اردو داں طبقے کے لئے جنت نگاہ اور فردوس گوش بنا کر پیش کر رہے ہیں۔ خدا کرے ان کی یہ سعی جمیل قبولیت عامہ حاصل کرے، اور مستقبل میں بھی وہ اسی طرح علمی و ادبی کاوشات منظر عام پر لاتے رہیں۔

دعا گو، احقر

مسعود انور علوی

Scanned by CamScanner

مقدمہ

مصنف شمامۃ العنبر

حسان الہند حضرت غلام علی آزاد بلگرامی رحمۃ اللہ علیہ

مختصر حیات و خدمات

Scanned by CamScanner

مبسملا و حامدا و مصلیا و مسلما

بلگرام

اتر پردیش گورنمنٹ گزیٹر میں ہے کہ:

"Bilgram, the headquarter town of the Tahseel of the same name, lies in lat: 27.11^{0}N, and long: 80.2^{0}E , on the old high bank of the Ganga, about 26 Km south-west of Hardoi"

(بلگرام، اسی نام کی تحصیل کا صدر مقام ہے، ۲۷.۱۱ درجہ عرض البلد شمالی اور ۸۰.۲ درجہ طول البلد شرقی پر، گنگا کے قدیم بلند کنارے پر، ہردوئی سے تقریبا ۲۶ کلومیٹر جنوب مغرب میں واقع ہے۔)

یہ قدیم قصبہ عہد شجاعت کی دو عظیم سلطنتوں، اجودھیا اور ہستناپور، کی درمیانی شاہراہ پر واقع ہونے کے سبب ہمیشہ سے بڑی اہمیت کا حامل تھا۔ اس کے نام کے سلسلے میں کئی روایتیں ملتی ہیں، جن میں دو زیادہ مشہور ہیں: ا۔ بل نام کے عفریت (راکشس) کے نام پر اس کا نام پڑا، ۲۔ شری کرشن کے بھائی بلرام جنھوں نے اسے فتح کیا تھا، ان کے نام پر اس کا نام بلگرام رکھا گیا۔ محمود غزنوی کے ہندوستان پر حملوں کے دوران ۴۰۹ھ/۱۰۱۸ء میں قاضی محمد یوسف عثمانی گازرونی نے اس قصبے کو فتح کیا تھا، لیکن اندرون ہند عام غزنوی فتوحات کی طرح یہ فتح بھی عارضی رہی۔ عہد التمش میں سید محمد (صاحب

Scanned by CamScanner

دعوتِ)صغری نے ۶۱۴ھ/۱۲۱۷ء میں بلگرام کو دوبارہ فتح کیا۔سید محمد صغری مشہور بزرگ حضرت ابوالفتح واسطی کی نسل سے تھے۔اس عسکری فتح نے بلگرام کو ہمیشہ کے لئے واسطی سادات کی علمی اور روحانی فتوحات کا مرکز بنادیا۔بلگرام ہندوستانی تاریخ کے کئی اہم احداث وواقعات کا شاہد ہے۔

جغرافیائی محل وقوع، تاریخی اہمیت اور تہذیبی وراثت کے ساتھ ساتھ ایک اور اہم عنصر ہے جس نے بلگرام کو علم وادب کا مرکز بنانے میں خاصہ کردار ادا کیا ہے اور وہ عنصر ہے ماحولیات کا، بلگرام زمانہ قدیم سے ہی اپنی زرخیز مٹی، صحت بخش آب و ہوا اورخوبصورت باغات و مناظر کے لئے مشہور رہا ہے۔ابوالفضل نے آئین اکبری میں یہاں کے آب و ہوا کی تعریف کی ہے۔ مغربی سیاح ٹفن تھیلر (D.J.Tiffenthaler) جو ۱۷۶۹ء میں بلگرام آیا تھا، اس نے بھی اپنے سفرنامے میں یہاں کے چمنستانوں اور مرغزاروں کا ذکر کیا ہے۔اوراس خوشگوار طبیعی ماحول کا علمی ماحول پر خوشگوار اثر پڑنا ایک مسلم اجتماعی قانون ہے، بقول علامہ ابن خلدون: خوش نمو زمین اور خوش نما آب و ہوا والے مقامات ہی فکرودانش کے مراکز بنتے ہیں۔

بلگرام عہد سلطنت سے ہی اسلامی وعربی علوم وفنون کا مرکز بن گیا تھا، اور اکبری دور کے آتے آتے اس نے برصغیر میں نمایاں ترین علمی حیثیت حاصل کرلی تھی، اس کا یہ مقام انگریزوں کے عہد تک برقرار رہا۔اس زمین سے بہت سی علمی و روحانی شخصیات ابھریں جن میں سرفہرست فاتح بلگرام اور سادات بلگرام کے مورث اعلی سید محمد صغری چشتی متوفی ۶۴۵ھ، شیخ اڈھن بلگرامی (گیارہویں صدی ہجری)، شیخ الہ داد بلگرامی (۹۹۹ھ میں بقید حیات)، سید عبدالواحد چشتی بلگرامی صاحب سبع سنابل متوفی ۱۰۱۷ھ، سید قادری بلگرامی متوفی ۱۱۴۵ھ، سید طفیل محمد بلگرامی متوفی ۱۱۵۱ھ، میر سید مبارک بلگرامی

Scanned by CamScanner

متوفی ۱۱۱۵ھ، میر عبدالجلیل بلگرامی متوفی ۱۱۳۸ھ، اور خاتم المحد ثین و اللغویین سید محمد مرتضی زبیدی بلگرامی صاحب تاج العروس، و اتحاف السادۃ المقین فی شرح إحیاء علوم الدین متوفی ۱۲۰۵ھ وغیرہ شامل ہیں۔

مسلمانوں کی مرکزی حکومت کے زوال کے ساتھ دوسرے علمی مراکز کی طرح بلگرام کی علمی زبوں حالی کا بھی آغاز ہوگیا۔ ایک وقت میں بلگرام کے گھر گھر میں کتب خانہ تھا، جن میں بیشتر ضائع ہوگیا، کچھ لکھنؤ اور حیدراباد میں فروخت ہوگیا، اور ان کا ایک معتد بہ حصہ انگریزوں کے ذریعے غصب کر کے، تحفے میں وصول کر کے یا پھر حاکمانہ اثر و رسوخ کے ساتھ اونے پونے خرید کر یورپ منتقل کر دیا گیا۔ اٹھارہویں اور انیسویں صدی میں انگریز سیاحون جیسے ٹینٹ (Rev M.R.Tenant) وغیرہ، اور عیسائی مشنریوں جیسے بشپ ہیبر (Bishop Heber) وغیرہ کی مسلسل بلگرام آمد کا بنیادی مقصد انھیں علمی خزانوں کا حصول تھا۔

نسب و خاندان

’’نسباً حسینی، اصلاً واسطی، مولداً و منشأً بلگرامی، مذہباً حنفی، طریقۃً چشتی‘‘۔

سبحۃ المرجان، مآثر الکرام اور خزانۂ عامرہ وغیرہ اپنی کتابوں میں آزاد نے اپنا یہی تعارف کرایا ہے۔ ان کا سلسلۂ نسب حضرت عیسی موتم الأشبال بن امام زید شہید بن امام علی زین العابدین بن سید الشہداء امام حسین علی جدہم وعلیہم الصلاۃ والسلام تک پہنچتا ہے۔ ان کا خاندان واسط (عراق) سے ہندوستان آیا، اور ہندوستان میں ان کے جد اعلی سید محمد (صاحب دعوت) صغری تھے، جو سلطان التمش کے دربار سے وابسطہ تھے اور قطب الاقطاب خواجہ بختیار کاکی چشتی کے مرید تھے۔

Scanned by CamScanner

ولادت و تعلیم

آزاد کی ولادت یکشنبہ ۲۵/صفر ۱۱۱۶ھ کو بلگرام میں ہوئی، اور وہیں انھوں نے اپنے بچپن اور عنفوان شباب کی منزلیں طے کیں۔آزاد نے علم و تدین کے ماحول میں آنکھیں کھولیں، اور روحانیت و مشیخت کی فضاؤں میں پروان چڑھے،ان کی دادھیال اور نانہال بلکہ پورے خاندان میں علم وفضل کے چشمے بہہ رہے تھے، اور انھیں سیراب ہونے کے لئے کہیں جانے کی ضرورت نہیں تھی۔ چنانچہ انھوں نے تمام مروجہ تعلیم بلگرام میں اپنے خاندان کے بزرگوں ہی سے حاصل کی۔آزاد نے اپنی کتابوں میں نہ صرف اپنے اساتذہ کا ذکر کیا ہے بلکہ کس سے کیا اکتساب کیا ہے اس کو بھی تحریر کیا ہے۔ ان تحریروں کے بموجب انھوں نے بیشتر درسی کتابیں سید طفیل محمد اترولوی متوفی ۱۱۵۱ھ سے پڑھیں، اپنے نانا سید عبدالجلیل بلگرامی سے حدیث، لغت اور سیرت وغیرہ فنون کا اکتساب کیا، اور اپنے ماموں سید محمد بلگرامی متوفی ۱۱۸۵ھ سے ادب عروض اور قافیہ کا علم حاصل کیا۔حرمین شریفین میں شیخ حیات محمد سندی مدنی متوفی ۱۱۶۳ھ سے صحاح ستہ اور دیگر کتب حدیث کا درس لیا اور ان کی اجازت پائی۔ اور شیخ عبدالوہاب طنطاوی شافعی مصری متوفی ۱۱۵۷ھ نزیل مکہ مکرمہ سے بھی حدیث شریف میں اکتساب فیض کیا۔

بیعت و اجازت

تصوف و روحانیت کے پروردہ آزاد سن شعور کے آغاز سے ہی ذکر و فکر اور تزکیہ و مجاہدہ کی طرف مائل تھے، چنانچہ اپنی خاندانی روایت کے مطابق ۱۱۳۷ھ میں میر سید لطف اللہ چشتی بلگرامی رحمہ اللہ کے ہاتھوں پر سلسلۂ عالیہ چشتیہ میں بیعت ہوگئے، اور شیخ کی جانب سے سلسلے کی اجازت وخلافت سے بھی سرفراز کئے گئے۔

Scanned by CamScanner

سفر وسیاحت

آزاد کے بعض سوانح نگاروں کے مطابق انھوں نے بلگرام میں اپنی تعلیم کی تکمیل کے بعد مزید تعلیم کے لئے دہلی کا سفر کیا تھا، لیکن وہاں انھوں نے کیا پڑھا اور کس سے پڑھا اس ضمن میں کچھ معلومات دستیاب نہیں ہیں۔ تعلیم سے مکمل فراغت کے اپنے ماموں سید محمد کے بلانے پر انھوں نے سندھ کا سفر کیا جہاں ان کے ماموں ایک سرکاری منصب (محصل و پرچہ نویس) پر فائز تھے، آزاد کے وہاں پہنچنے پر ان کے ماموں انھیں اپنا قائم مقام بنا کر بلگرام واپس آگئے جہاں وہ چار سال تک مقیم رہے۔ اس درمیان آزاد نے ان کی ذمہ داریوں کو بخیر خوبی نبھایا۔ سندھ سے واپسی کے دوران انھیں دہلی میں یہ اطلاع ملی کہ ان کا خاندان عارضی طور پر الہ آباد میں مقیم ہے، لہذا انھوں نے دہلی سے الہ آباد کا سفر کیا اور وہاں کچھ عرصہ قیام بھی کیا۔

سفر حج و زیارت

بچپن میں آزاد کو خواب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا شرف ملا تھا، اور وہ اسی وقت سے بارگاہ نبوی میں حاضری اور کعبۃ اللہ کی زیارت کے لئے بےچین و مضطرب رہتے تھے۔ ان کے روح کی تڑپ اور شوق کی سوزش بڑھتی رہی یہاں تک کہ انھیں یارائے صبر و شکیب نہ رہا، اور ۱۱۵۰ھ میں وہ گھر سے دیار حبیب کی طرف نکل پڑے، نہ کچھ زاد سفر، نہ کسی کو اطلاع و خبر اور نہ کوئی رفیق و راہبر، لیکن اس دیوانگی میں بھی ہشیاری کا یہ مظاہرہ کیا کہ سفر کے معروف راستے کو چھوڑ کر صحراؤں اور بیابانوں کا راستہ اختیار کیا تا کہ کوئی ان کی راہ محبت میں رکاوٹ نہ بن سکے، اور کوئی ان کے سفر شوق میں حائل نہ ہونے پائے۔ اور ہوا بھی کچھ ایسا ہی، جب ان کے گھر والوں کو ان کے اس سفر بے سروسامانی کا پتہ چلا تو ان

Scanned by CamScanner

کے بھائی میر سید غلام حسین نے حج کے معروف راستے پر تین منزل تک ان کی تلاش کی، لیکن جب ان کا کوئی سراغ نہیں ملا تو واپس آ گئے۔

آزاد نے اپنے اس سفر اور اس کی حکایات کو عربی و فارسی اور نظم و نثر میں بے حد دل آویز اور رقت انگیز اسلوب میں بیان کیا ہے، اور ''ذکر حبیب کم نہیں وصل حبیب سے'' کے تحت بار بار اور مختلف انداز میں کیا ہے، حتی کہ سبحہ وغیرہ میں ان کی خودنوشت سوانح حیات کا بیشتر حصہ سفر حرمین شریفین کے ذکر ہی پر مشتمل ہے۔ فارسی میں ''طلسم اعظم'' کے نام سے ان کی ایک مثنوی ہے جو خاص اس مبارک و مسعود سفر کے احوال پر مشتمل ہے، اور یہی عنوان اس سفر کا مادۂ تاریخ بھی ہے۔ عربی کے بھی متعدد قصائد میں انھوں نے اپنے جذب وشوق کو نظم کیا ہے۔

هاج البكاء إلى منازل رحمة　　مسقية بالديمة الهطلاء
ما لاح من نحو الأبارق بارق　　إلا و أزكى النار في أحشائي
و جلست في كمدٍ على بعد المدى　　شتان بين الهند و الزوراء
لو كنتُ أُخبر جيرتي و عشيرتي　　لتزاحموا بيني و بين رجائي
لو لا إعانة جذبة نبوية　　أصبحت في يدهم من الأسراء

جذبۂ شوق و محبت کی یہ دلنشین تعبیر اور ایمان افروز تصویر کشی آزاد ہی کا حصہ ہے، فللہ درہ، علماء نے اس کی دو توجیہات بیان کی ہیں: ایک تو ہندوستانی ثقافت، اور دوسرے اس ملک کی دیار مقدسہ سے دوری، لیکن اس کا ایک اور بھی سبب ہے جس کی طرف ان کے کسی سوانح نگاروں کی نظر نہیں گئی اور وہ ہے ان کی چشتی نسبت کیونکہ اس کا محرک سلسلہ ہی عشق ہے۔

طویل صحرا نوردی اور دشت پیمائی، اور بے شمار تکلیفوں اور مصیبتوں کے بعد وہ

Scanned by CamScanner

مالوہ پہنچے جہاں نواب آصف جاہ ایک مہم کے سلسلے میں اپنے لشکر و سپاہ کے ساتھ خیمہ زن تھا۔ اب آزاد اپنے گھر اور اہل خانہ سے اتنی دور پہنچ چکے تھے کہ ان کے لئے سفر کو پوشیدہ رکھنا کوئی مسئلہ نہیں تھا، علاوہ ازیں ان پر "تـــزودوا" کی حقیقت بھی پوری طرح آشکارہ ہو چکی تھی، چناچہ انھوں نے اپنی غنی طبیعت کے باوجود محض سفر میں تعاون حاصل کرنے کے لئے نواب کی شان میں ایک رباعی کہی:

اے حامی دیں مہبط جود و احساں　　حق داد ترا خطاب آصف شاہاں
از تخت بہ درگاہ سلیماں آورد　　تو آل نبی را بہ در کعبہ رساں

مآثر الکرام میں خود فرماتے ہیں کہ:

''فقیر نے قدرت کلام اور موزونی طبع کے باوجود تمام عمر امراء و رؤساء کی مدح سرائی کے لئے کبھی زبان نہیں کھولی لیکن یہ رباعی محض اس سفر میں استعانت کے خیال سے نوک زبان پر آ گئی''

نواب نے رخت سفر اور سواری کا انتظام کر دیا۔ محرم ۱۱۵۱ھ میں آزاد جدہ پہنچے جہاں ان کی ملاقات حضرت سید محمد فاخر زائر الہ آبادی متوفی ۱۱۶۴ھ سے ہوئی، دونوں ہم مشرب بھی تھے اور غائبانہ متعارف بھی۔ آزاد عمرہ کرتے ہوئے مدینۂ طیبہ پہنچے اپنی تمناؤں اور آرزوں کی منزل، اور بارگاہ رسول میں عرض گزار ہوئے:

قد جئتُ بابكَ خاشعاً متضرعاً　　مالي وراءك كاشفُ الضراء
أحسن إلى ضيفٍ ببابك واقفٍ　　شأنُ الكرام ضيافة الغرباء

اور وہاں ان کا قیام آٹھ ماہ کے قریب رہا، جس میں انھوں نے شیخ محمد حیات سندی سے درس حدیث لیا، اور تمام اماکن مقدسہ کی زیارت کی، مدینے میں اپنے اس طویل قیام سے بھی انھیں سیرابی نہیں حاصل ہوئی، اور حج کا موسم آیا تو بارگاہ رسول ﷺ

Scanned by CamScanner

میں اذنِ سفر طلب کرتے ہوئے عرض کرتے ہیں:

علیك سلامُ الله یا أشرفَ الوری　　لقد سالَ دمعی في فراقك فانیا

ومـا أنـا کـالـذي جـاء منهلا　　فـذاقَ و لکن عادَ ظمآنَ باکیا

آزاد شوال میں مکہ مکرمہ حاضر ہوئے، اور حج کے بعد بھی وہاں کئی ماہ مقیم رہے، اس درمیان انھوں نے وہاں کے تاریخی مقامات کی زیارت اور وہاں کے علماء و مشائخ کی صحبت سے فیض حاصل کیا، بالخصوص شیخ طعطاوی کے علم و فضل اور ان کی صحبتوں سے استفادہ کیا۔ ایک بار جب آزاد نے شیخ کو اپنے تخلص (آزاد) اور اس کے معنی سے مطلع کیا تو شیخ نے برجستہ فرمایا کہ: " یاسیدی أنتَ من عتقاء الله "یعنی: جناب آپ اللہ تعالی کے آزاد کردہ میں سے ہیں۔ شیخ کی زبان سے نکلے اس جملے کو آزاد نے اپنے لئے بشارت خیر سمجھا، اور اپنے تخلص سے ان کا انس مزید بڑھ گیا۔

۳؍ جمادی اولی کو آزاد جدہ سے روانہ ہوئے، راستے میں مخا کی بندرگاہ پر ان کا جہاز لنگر انداز ہوا، وہاں آزاد نے سلسلۂ شاذلیہ کے مؤسس حضرت شیخ ابوالحسن شاذلی متوفی ۶۵۶ھ کے مزار پر حاضری دی۔ ۲۹ جمادی اولی ۱۱۵۲ھ کو ان کا جہاز سورت پہنچا، اور اس طرح ان کا سفر حج و زیارت اختتام کو پہنچا، انھوں نے اس کے خاتمے کی تاریخ ''سفر بخیر'' سے نکالی ہے۔

قیام دکن

سورت سے آزاد اورنگ آباد پہنچے اور بابا شاہ مسافر متوفی ۱۱۲۶ھ کی خانقاہ میں اقامت گزیں ہوئے۔ ۱۱۵۹ھ میں ان کی ملاقات نظام آصف جاہ کے صاحبزادے نواب ناصر جنگ سے ہوئی، اور دونوں میں گہرے مراسم پیدا ہو گئے۔ فقر و شاہی کے

Scanned by CamScanner

درمیان یہ ربط و تعلق بڑا پائدار اور دیر پا رہا، جس میں ناصر جنگ کی علم دوستی اور نیاز کے ساتھ ساتھ آزاد کے استغناء و بے نیازی کا برابر کا حصہ تھا۔ آزاد نے ان کی رفقت و معیت میں دکن کے کئی شہروں کی سیاحت کی۔ ۱۱۶۵ھ سے ۱۱۶۸ھ تک آزاد نے حیدراباد میں قیام کیا اور پھر اورنگ آباد واپس لوٹ آئے، اور باقی عمر وہیں گزاردی، ان کی بیشتر تصنیفات اسی عہد کی یادگار ہیں۔ اس عرصے میں تصنیف و تالیف کے علاوہ تدریس وافادہ اور خدمت خلق ان کی مشغولیت کا حصہ تھے۔

۱۱۹۵ھ میں وہ باقی ماندہ دنیوی علائق سے بھی کنارہ کش ہو گئے، اور اپنے آخری سفر کی تیاری شروع کردی۔ انھوں نے خلد آباد میں محبوب الہی کے خلیفہ برہان الدین غریب رحمۃ اللہ علیہ کے مرقد کے قریب اپنی آخری آرامگاہ کے لئے ایک قطعہ زمین خریدا اوراس کا نام عاقبت خانہ رکھا۔ اس سلسلے میں انھوں نے ایک تقریب برپا کی جس میں علماء ومشائخ اور دوست واحباب کو مدعو کیا اور فردا فردا تمام حاضرین سے معافی مانگی، ان کے اس طرز عمل سے ساری محفل سوگوار ہوگئی، مگر وہ خود پوری طرح ہشاش وبشاش اور ''یار خندا رود بجانب یار'' کا مصداق بنے رہے۔ اس کے بعد آزاد پانچ سال مزید بقید حیات رہے اور ۲۴؍ذیقعدہ ۱۲۰۰ھ/۱۵ستمبر ۱۷۸۵ء کو اس دار فانی سے رحلت کر گئے۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔ ان کے لوح مزار پر مرقوم ہے:

هوالحی القیوم

حسان الہند غلام علی آزاد حسینی واسطی بلگرامی

''آہ غلام علی آزاد''

وفات: ۲۴؍ذیقعدہ ۱۲۰۰ھ

Scanned by CamScanner

اخلاق وعادات

آزاد کو فقر و تصوف کی روایت گھر سے ملی تھی، وہ اس روایت کے امین بھی تھے اور علمبردار بھی۔ وہ صرف چشتی نسبت ہی نہیں رکھتے تھے بلکہ اپنے عادات و اطوار اور اخلاق و کردار میں سرتاپا حقیقی چشتی رنگ میں رنگے ہوئے تھے۔ وہ صوفیائے کرام کی شان استغناء کے مجسم نمونہ تھے۔ دنیا اپنی تمام جلوہ سامانیوں کے ساتھ ان کے چاروں طرف بکھری ہوئی تھی لیکن انھوں نے کبھی بھی اسے درخور اعتناء نہیں سمجھا۔ اور ان کا یہ استغناء اضطراری نہیں بلکہ اختیاری تھا۔ انھیں حصول دنیا کے بے شمار مواقع حاصل تھے لیکن وہ ہمیشہ اس سے کنارہ کش رہے۔ نواب ناصر جنگ سے اپنے گہرے مراسم و تعلقات کو بھی انھوں نے کبھی دنیا طلبی کے لئے استعمال نہیں کیا۔ اس سلسلے میں احباب و اقرباء کا شدید ترین اصرار بھی ان کے استقامت کو متزلزل نہیں کر سکا۔ سبحہ میں فرماتے ہیں کہ:

''بہتوں نے مجھ سے اصرار کیا کہ میں کوئی شاہی منصب اختیار کروں، اور دنیا کے لبریز جاموں کو نوش کروں، لیکن میں نے اپنے دامن کو دنیوی گرد و غبار سے کبھی آلودہ ہونے نہیں دیا، اور کبھی جادۂ استقامت کو چھوڑ کر اس دنیائے پرفریب کے جال میں نہیں پھنسا۔ اپنے احباب سے میں نے ہمیشہ یہی کہا ہے کہ اس دنیا کی مثال دریائے طالوت کی طرح ہے جس کا ایک چلو تو حلال ہے لیکن اس سے زیادہ حرام ہے۔''

آزاد ساری زندگی خدمت خلق میں مصروف رہے، اصحاب اختیار اور اہل ثروت سے اپنے روابط کو خلق خدا کی غمگساری اور چارہ جوئی میں استعمال کرتے رہے۔ ان کا یہ طرز عمل ہندوستان میں سلسلۂ چشتیہ کے عہد زریں کے بزرگوں کی یاد دلاتا ہے۔

Scanned by CamScanner

تلامذہ

بے شمار لوگوں نے آزاد کے علم وفضل سے استفادہ کیا۔ اہم شاگردوں میں میر عبدالقادر مہربان اورنگ آبادی، لچھمی نرائن شفیق صاحب گل رعنا، عبدالوہاب افتخار دولت آبادی مصنف تذکرۂ بے نظیر، اور ضیاء الدین پروانہ وغیرہ شامل ہیں۔

تصنیفات

آزاد نے عربی و فارسی میں بہت سی نثری اور شعری کتابیں تصنیف کیں، اردو کے بعض اعمال بھی ان کی طرف منسوب کیے جاتے ہیں لیکن ان کی صحت مشکوک ہے، البتہ یہ ہرگز بعید از قیاس نہیں ہے کہ انھوں نے اردو رہندوی میں کچھ لکھا یا کہا ہو کیونکہ یہ انکی خاندانی روایت اور طبیعت دونوں سے ہم آہنگ ہے۔

فارسی

آزاد کی فارسی کی نثری تصنیفات میں : مآثرالکرام (ڈیڑھ سو سے زائد علماء و مشائخ بلگرام کا تذکرہ، چند غیر بلگرامی حضرات کا بھی ذکر ہے)، خزانۂ عامرہ (تقریبا ۱۳۵ شعرائے فارسی کا تذکرہ)، سرو آزاد (تذکرۂ شعرائے فارسی و ہندوی)، روضۃ الاولیاء (خلد آباد میں مدفون دس اولیاء اللہ کا تذکرہ) وغیرہ (مطبوعات)، اور سند السعادات في حسن خاتمة السادات (رضا لائبریری، رامپور، سیرت ومناقب ۱۱/)، غزلان الہند (سبحۃ المرجان کے آخری دو بابوں کا فارسی ترجمہ)، ید بیضاء (فارسی شعراء کی سوانح عمریاں)، شجرۂ طیبہ (سادات وشیوخ بلگرام کا شجرہ)، انیس المحققین (آزاد کے شیخ اور دوسرے تین صوفیاء کی سیرت)، اور تذکرہ صوبہ داران اودھ، وغیرہ (مخطوطات) ہیں۔

فارسی شاعری میں دیوان آزاد، بیاض آزاد (ترتیب)، قصائد آزاد، مثنوی تتمہ امواج خیال

Scanned by CamScanner

،مثنوی سراپائے معشوق وغیرہ ہیں۔

عربی

۱۔ سبحۃ المرجان فی آثار ہندوستان، آزاد کی سب سے مشہور تصنیف ہے، اور آزاد کی زندگی میں ہی اسے شہرت مل گئی تھی۔ یہ کتاب چار فصلوں پر مشتمل ہے، فصل اول: تفسیر وحدیث میں وارد ہندوستان کے تذکرے سے عبارت ہے۔ آزاد نے اس موضوع پر پہلے ایک مستقل رسالہ لکھا تھا جسے بعد میں کچھ اضافات کے ساتھ اس کتاب میں ضم کردیا۔ دوسری فصل: ہندوستان کے چند علماء کا تذکرہ ہے۔ تیسری فصل: محسنات کلام کے موضوع پر ہے۔ اور چوتھی فصل: عشاق ومعشوقات اور ان کے انواع واقسام پر مشتمل ہے، یہ اپنی نوعیت کا بالکل انوکھا موضوع ہے۔ کتاب کی پہلی طباعت ممبئی سے ۱۳۰۳ھ/ ۱۸۸۵ء میں ہوئی، دوسری طباعت ادارۂ علوم اسلامیہ، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے ۱۹۷۶ء میں ڈاکٹر فضل الرحمان سیوانی ندوی کی تحقیق کے ساتھ ہوئی۔

۲۔ ضوء الدراری شرح صحیح البخاری، بخاری شریف کی کتاب الزکاۃ تک کی شرح ہے، جسے امام قسطلانی کی ارشاد الساری سے ملخص کیا ہے، اور بہت سے علمی نکات وفوائد کا اضافہ کیا ہے۔ اس کا قلمی نسخہ ندوہ لائبریری (مجموعہ نور الحسن، نمبر: ۳۶۴) میں موجود ہے۔

۳۔ تسلیۃ فواد فی قصائد آزاد، بعض قصائد ومراثی کا مجموعہ ہے اور جن شخصیات کے لئے یہ کہے گئے ہیں ان کے سوانحی خاکے بھی کتاب میں شامل ہیں، اس کا قلمی نسخہ مسلم یونیورسٹی میں آزاد لائبریری کے شعبۂ مخطوطات (جواہر میوزیم/۷۰ اوراق)، اور مکتبہ عارف بک مدینہ منورہ میں موجود ہے۔

۴۔ شفاء العلیل، اس کتاب میں مشہور عربی شاعر متنبی متوفی ۳۵۴ھ کی شاعری پر آزاد کی تنقیدات واصلاحات ہیں۔ آزاد نے اس کتاب میں ناقد اور مصلح دونوں کا کردار

Scanned by CamScanner

ادا کیا ہے اور اس لحاظ سے متنبّی پر اپنے نوعیت کی یہ واحد کتاب ہے۔ آزاد نے اس میں واحدی کی شرح پر اعتماد کیا ہے۔ پروفیسر نثار احمد فاروقی صاحب نے اس کا ایک معتد بہ حصہ اپنی عالمانہ تحقیقات کے ساتھ مرکزی حکومت کے عربی رسالے ’ثقافۃ الہند‘ میں شائع کیا ہے۔ قلمی نسخہ آصفیہ، حیدرآباد (رقم: ۱۱۱۳) میں موجود ہے۔

۵۔ کشکول، آصفیہ، حیدراباد (رقم: ۲۴۲)۔

اسماعیل پاشابغدادی، کحالہ، اور ڈاکٹر جمیل احمد نے ان کی کچھ اور نثری تصنیفات کے نام دئے ہیں، جیسے الأمثلۃ المترشحۃ من القریحۃ، نصاب القصیدۃ في التغزل، اور تعلیق علی مرآۃ الجمال لعفسہ۔ لیکن اول الذکر غالبا کوئی کتاب نہیں ہے بلکہ سبحہ میں موجود ان کی خودنوشت سوانح کی ایک عبارت سے یہ وہم ہوتا ہے کہ یہ بھی کسی تصنیف کا نام ہے۔

عربی شاعری

عربی شاعری آزاد کا اصلی میدان ہے، عربی میں ان کے ایک دو نہیں بلکہ دس دواوین ہیں، جن میں سے صرف چار مطبوعہ ہیں، پہلا اور تیسرا مطبع کنز العلوم، حیدرآباد سے شائع ہوا ہے، اور دوسرا حیدرآباد ہی کے ایک مطبع لوح محفوظ سے شائع ہوا ہے، ان میں سے کسی پر تاریخ طباعت مذکور نہیں ہے۔ چوتھا دیوان فارسی کے طرز پر مردف اور پانچواں مستزاد ہے، چھٹا دیوان ۹۳-۱۱۹۲ھ میں کہے جانے والے قصائد پر مشتمل ہے جبکہ ساتویں میں ۹۴-۱۱۹۳ھ کے قصائد ہیں۔ ان ساتوں دواوین کو خود آزاد نے ایک جلد میں جمع کر کے اسے ’السبعۃ السیارۃ‘ کا نام دیا تھا جو قلمی نسخے کی شکل میں ندوہ کی لائبریری کے شعبہ مخطوطات میں (زیر رقم: ۱۴۴۴) موجود ہے۔ آٹھواں دیوان کا قلمی نسخہ آزاد لائبریری علی گڑھ کے سبحان اللہ کلکشن میں موجود ہے، نواں دیوان مطبوعہ ہے اور شاعر کے تجویز کردہ

Scanned by CamScanner

'تحفۃ الثقلین' کے نام سے ۱۲۹۴ھ میں مطبع نور الانوار آرہ سے شائع ہوا ہے۔ دسواں دیوان بھی علی گڑھ میں ہے۔ بعض مصادر کے مطابق انھوں نے اپنے نعتیہ قصائد کو 'أرج الصبافي مدح المصطفیٰ' کے نام سے ایک جلد میں جمع بھی کیا تھا۔

ان دواوین کے علاوہ 'مرآۃ الجمال' کے نام سے ۱۰۵ اشعار کا ایک نونیہ قصیدہ ہے جس میں سر سے پیر تک محبوب کا وصف بیان کیا ہے اور ہر عضو کا چار مصرعوں میں ذکر کیا ہے، یہ قصیدہ شاعر کی ندرت بیانی کا ایک شاہکار ہے، جس میں کوئی شاعر ان کا شریک نہیں۔ مثلاً محبوب کے ابرو، آنکھیں اور اس کی گندھی زلفوں کے بارے میں علی الترتیب فرماتے ہیں کہ:

أبصر حواجبها و أدرك كنهها ۔۔۔ غصنان منحنيان وسط البان

أو كافران يشاوران ليوقعا ۔۔۔ آمالنا في موقع الحرمان

طرفا الحبيبة ماكران تغارضا ۔۔۔ و تغافلا عن رؤية الجيران

أو نرجسان على غصين واحد ۔۔۔ و هما بماء مسكر نضران

آ ضفيرتان على بياض خدودها ۔۔۔ أو في كتاب الحسن سلسلتان

أو ليلة العيدين أقبلتا معا ۔۔۔ أو من قصائدهم معلقتان

آزاد کو خود بھی اپنی اس اختراع کے انوکھے پن کا خوب ادراک و احساس تھا، فرماتے ہیں:

ما إن سمعنا مثلها عن شاعر ۔۔۔ آزاد للطرز المنشّط بان

اس قصیدے کا ایک قلمی نسخہ خدا بخش لائبریری بانکی پور (پٹنہ) میں ہے (نمبر: ۲۶۴۱)۔

ان کی ایک طویل عربی نظم مظہر البرکات کے نام سے بھی ہے جو ۳۵۰۰ اشعار پر

Scanned by CamScanner

مشتمل ہے، یہ نظم مثنوی کے وزن پر ہے، اور نازک خیالی، شیریں مقالی اور سادہ بیانی کا ایک خوبصورت نمونہ ہے، اس مثنوی میں سات دفتر ہیں ہر ایک کا آغاز حمد سے ہوتا ہے، اور اس کا موضوع صوفیانہ حکایتیں اور اخلاقی کہانیاں ہیں۔ یہ مثنوی مطبعہ عزیزیہ، حیدر آباد سے ۱۹۷۶ء میں شائع ہو چکی ہے۔ ڈاکٹر شلقامی کے مطابق ان کے تمام عربی اشعار کی تعداد تقریباً ۱۷۰۰۰ ہے۔

حسان الہند

فارسی شاعر خاقانی متوفی ۵۹۵ھ/۱۱۹۸ء کو اہل ایران نے اس کی نعتیہ شاعری کے سبب حسان العجم کا لقب دیا ہے، اور آزاد کو اہل ہند نے حسان الہند سے ملقب کیا، اور بلاشبہہ خاقانی کے مقابلے میں وہ اس لقب کے زیادہ حقدار ہیں کیونکہ خاقانی کے برخلاف انھوں نے حضرت حسان کی زبان بھی استعمال کی ہے۔

آزاد ایک عبقری فنکار اور فطری شاعر تھے۔ نازک خیالی، احساس جمال کی قوت، عشق کا جوش وخروش، بلیغ استعارات اور خوبصورت تشبیہات کے استعمال پر قدرت، ادبی شعری اور بلاغی علوم وفنون میں مہارت ان کے وہ اوصاف ہیں جس میں ہندوستان کا کوئی عربی شاعر اور یہاں کی کسی زبان کا کوئی بھی نعت گو شاعر ان کا شریک وسہیم نہیں ہے۔

وہ پہلے شاعر ہیں جس نے اپنی شاعری میں ہندوستان کی عظمتوں کے نغمے گائے ہیں، انھوں نے عربی شاعری میں ہیئت، صنف، اور وزن کے نئے نئے تجربے کئے، اور متعدد عجمی موضوعات وصنائع کو عربی زبان کا لباس دیا۔ اس تجدیدی واختراعی رجحان کے باوجود انھوں نے اپنے موضوعات، اسلوب بیان، وصف اور تشبیہ سبھی میں عام طور پر قدماء ہی کی

Scanned by CamScanner

تقلید کی ہے اور ان کے شعری مناہج ہی کی اتباع کی ہے۔عرب شعراء کی طرح وہ بھی منزل محبوب اور اس کے آثار وکھنڈرات (اطلال) کے ذکر کے ساتھ اپنے قصائد کا آغاز کرتے نظر آتے ہیں ۔ بلکہ ان شعراء سے ایک قدم آگے بڑھ کر وہ اس موضوع کو مستقل صنف بنا دیتے ہیں، چنانچہ 'القصیدۃ الطللیۃ' کے نام سے ان کا ایک قصیدہ ہے جو ابتداء تا انتہاء منزل محبوب کے آثار کے ذکر پر مشتمل ہے۔

آزاد نے مختلف اصناف سخن پر طبع آزمائی کی لیکن نعت اور غزل ان کا بنیادی میدان ہے، بلکہ حقیقت تو یہ کہ ان کی غزلیں بھی ان کی نعتیہ شاعری ہی کا تسلسل ہیں، جنھیں رمزی نعتیہ شاعری کا نام دیا جا سکتا ہے، اور اس طرح ہم بجا طور پر یہ کہہ سکتے ہیں کہ ان کی شاعری صرف نعتیہ شاعری سے عبارت ہے۔اور یہ ان کا ایسا وصف ہے جس کی رو سے بھی وہ خاقانی کے مقابلے میں ''لقب حسان'' کے زیادہ مستحق قرار دیئے جا سکتے ہیں ۔مداحی رسول کی غیرت نے کبھی گوارا نہیں کیا کہ وہ اہل دول کی مدح سرائی کریں۔ان کے مطابق نعت گوئی ہی شاعر کا اصلی وظیفہ ہے اور مدح رسول کے بعد کسی کی مدح ایسا عیب ہے جو میری شاعری کو بھی عیب دار بنا دیتا ہے:

حصّلتُ بالمدح الكريم سعادةً   هـذا أخـص عبـادة الشعراء

توصيف غيرك بعد مدحك مشبه   بيتـا تـضـمن وصمة الإقواء

ناصر جنگ کی مدح میں کہے گئے ان کے چار مصرعے ان کے ہزاروں ہزار عربی اشعار میں ناقابل شمار ہیں، اور وہ بھی مدح کے ارادے سے نہیں بلکہ صرف اور صرف اظہار تفنن کے طور پر ہو گئے تھے، ہوا یوں تھا کہ ایک دن آزاد نواب ناصر جنگ کے ساتھ سفر میں تھے، اور مختلف النوع علمی گفتگو کا سلسلہ جاری تھا، اثنائے کلام احد پہاڑ کے سلسلے میں اللہ کے رسول ﷺ کے فرمان مبارک " هذا جبل يحبنا و نحبه " (یہ ایسا پہاڑ ہے

جو ہم سے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں) کی بات آ گئی تو آزاد نے برجستہ یہ دو شعر کہے

هو ناصر الإسلام سلطان الورى　　أبقاه في العيش المخلد ربه

حاز المناقب و المآثر كلها　　جبل الوقار ـ 'يحبنا و نحبه'

سبحہ میں فرماتے ہیں کہ: "و ما نظمتُ في مدحِ غني إلا هذين البيتين"

آزاد نے اپنی نعتیہ شاعری میں حضرت کعب بن زہیرؓ صاحب قصیدہ بردہ' رضی اللہ عنہ کے طریقے کو اختیار کرنے کا دعوی کیا ہے، بلکہ انھیں اپنا معنوی استاذ قرار دیا ہے:

نَسجتُ كابن زهير برد مدحته　　لقد غدا قلم الأستاذ منوالی

آزاد کو اپنی شاعرانہ عظمت اور ہندوستان میں اپنی انفرادیت کا پورا ادراک و شعور تھا، مثنوی مظہر البرکات کے دفتر اول میں فرماتے ہیں کہ:

بارك الله فيك يا آزاد　　قد أرحت السماع بالإنشاد

قد تجلى سناك بالهند　　أين شمع سواك بالهند

أنت سيف مهند و الله　　للمعانى مجدد و الله

بلکہ کبھی کبھی تو وہ خود کو عظمائے مداحین رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی صف میں شمار کرتے ہیں، بے حد شاعرانہ انداز میں فرماتے ہیں کہ:

أثنى عليك فحول فاق ألسُنُهم

كلامهم في مقام المدح ياصول

لا ضير إن كنت في الإخوان منتقصا

يرمى الوغى أحسن الأرماح مهزول

و رب ذي كبرٍ يعلوه ذي صغر

لا يبلغُ الخالَ في الإعجاب ثؤلول

Scanned by CamScanner

اور آزاد کا یہ دعوی محض شاعرانہ تعلی نہیں ہے بلکہ بسا اوقات اور بعض جہتوں سے وہ اکابرین پر فوقیت لے جاتے ہیں، مثلاً روضۂ شریفہ علی صاحبہا الصلاۃ والسلام کا ذکر دنیا کی تمام زبانوں میں کی جانے والی نعتیہ شاعری کا مشترکہ وصف ہے، بالخصوص عربی، فارسی اور اردو کا شاید ہی ایسا کوئی نعت گو شاعر ہو جس نے سبز گنبد اور سنہری جالیوں کو اپنا موضوع نہ بنایا ہو۔ اور آزاد روضۂ انور کے وصف میں اگلوں سے بھی آگے نظر آتے ہیں:

روحي الفداء لروضة قدسية ... مملوءة بلطافة و صفاء
بلغ المغارب و المشارق ضوئها ... ترنو إليها الشمس كالهرباء
ما أحسن القبر الذي في حجره ... خير البرية سيد البطحاء
طوبى لطيبة حيث ضم ضريحها ... جسما تنسم فوق سبع سماء
ولها شبابيك بأحسن صنعة ... صادت قلوبا من أهيل ولاء

مدینۂ طیبہ کا یہ محبت آمیز اور یقین افروز وصف بھی ملاحظہ فرمایئے:

سوح المدينة ما أجل ترابها ... تجد البصائر فيه فعل الأثمد
و غبارها المحسوس فوق هوائها ... كحل اليقين لمقلة المتردد
نصب لمَن ضل الطريق بسوحها ... عَلم الهدى من إصبع المتشهد
أشجارها قامت على ساق الهدى ... و ظلالها مأوى الرجال السُجد
أملاك أطباق السماء طيورها ... و صفيرها ذكر الإله السرمد

بارگاہ رسول ﷺ کی عظمت کی یوں تصویر کشی کرتے ہے:

سكن الملائك في حوائط بيته ... مثل الحمائم في كوى الجدران
وقفوا كما تقف الشموع بسوحه ... ودموعهم في غاية الهملان
جلسوا على بسط الوقار تأدبا ... نسى الجناح طريقة الطيران

Scanned by CamScanner

ان اشعار میں شاعر نے ملائکہ کی تین خیالی تصویریں بنائی ہیں: پہلی کبوتروں کی تصویر ہے جو نہایت سکون کی حالت میں دیوار کے روشندانوں میں بیٹھے ہوئے ہیں، دوسری شمعوں کی تصویر ہے، جن سے حرارت کے سبب شفاف سائل موتیوں کی شکل میں لگاتار گر رہا ہے۔ اور تیسری تصویر میں فرشتوں کی جماعت ہے جو حالت خشوع و خضوع میں ایسی خموشی اور خود فراموشی کے ساتھ بیٹھی ہے، گویا ان کے پر طریقۂ پرواز بھول گئے ہوں۔

ڈاکٹر شلقامی عربی رسالے 'الأزہر' میں لکھتے ہیں کہ:

''اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ جس نے بھی بوصیری وغیرہ کے روضۂ انور کے وصف کو پڑھ رکھا ہے وہ پائیگا کہ آزاد کا ''روضہ'' زیادہ متحرک، زندگی سے زیادہ بھرپور، زیادہ معنویت کا حامل اور اپنے روحانی پس منظر کے اعتبار سے زیادہ غنی ہے۔''

آزاد نے اپنے نعتیہ قصائد میں سیرت نبوی کے تمام گوشوں کا احاطہ کیا ہے رسول کریم ﷺ کی ولادت سے وصال تک کے احوال واحداث کو نظم کیا ہے۔ نعت کے فنی تقاضوں کی رعایت میں معجزات کے ذکر و بیان کا خاص اہتمام کیا ہے، اور انھیں مختلف پیرایوں میں نظم کیا ہے۔ اور اس ضمن میں ان کا شاعرانہ تخیل اور فکری پرواز اس بلندی تک پہنچ جاتی ہے جہاں کسی ناظم یا ناثر کے طائر فکر و سخن کا گزر نہیں۔ معجزۂ شق القمر کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اس میں ایک کے بجائے دو خرق عادت کا مظاہرہ ہوا ہے، کیونکہ جس طرح چاند کا دو ٹکڑے ہونا معجزہ ہے اسی طرح اس کا دوبارہ مل جانا بھی معجزہ ہے:

أشار فانشق صدر البدر مؤتمرا   و الالتيام لعمري خارق ثان

غزوۂ خیبر میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے آنکھوں کی شفایابی کا یوں ذکر کرتے

Scanned by CamScanner

ہیں:

طابت شقائق صارت نرجسا نضرا　　لما شفيت مريض الطرف من رمد

اسی موضوع کو امام بوصیری رحمہ اللہ نے اس طرح نظم کیا ہے:

و عيون مررت بها وهی رمد　　فأرتها ما لا ترى الزرقاء

آزاد نے بیمار آنکھوں کو سوزش و ورم کے پیش نظر 'شقائق نعمان' پھول (Windflower) قرار دیا ہے، جب کہ بوصیری نے مرض کا صریح ذکر کیا ہے جو بلاشبہ آزاد کے وصف سے فروتر ہے۔ پھر صحت یاب آنکھوں کے بیان میں دونوں نے الگ الگ پہلو کو اختیار کیا ہے آزاد نے اگر جمالیاتی پہلو کو چنا ہے اور اسے نرگس سے تشبیہ دی ہے تو بوصیری نے قوت بصارت کو ترجیح دی ہے۔

جیسا کہ عرض کیا گیا، آزاد کی غزلوں کو بھی ان کی نعتیہ شاعری میں شمار کیا جانا چاہئے۔ ایسی بے شمار داخلی و خارجی شہادتیں موجود ہیں جن کی بنیاد پر ان کی غزلیہ شاعری کو کسی بھی صورت غزل واقعی نہیں قرار دیا جا سکتا ہے، ان کی غزلیں اپنے قالب میں نعت کی روح کو سموئے ہوئے ہیں، اور حقیقت کو مجاز کے پیرائے میں بیان کرنا صوفیائے کرام بالخصوص چشتی بزرگوں کا متوارث طریقہ رہا ہے۔ ان کی غزلوں میں جس طرح کثرت سے صوفیانہ رموز و اشارات ملتے ہیں وہ بھی ان کے غزل واقعی ہونے کی نفی کرتے ہیں۔ اور اگر ان کی غزلوں کے خاتموں کا مطالعہ کیا جائے تو وہی اس بات کے ثبوت کو کافی ہیں۔ مثلاً اپنی ایک غزل کے اختتام میں کہتے ہیں کہ:

إذا أخذ الله الخلائق في غد　　فمن لی سوى العشق المقدس شافع

وہ اپنی غزلوں میں محبوب کی جو تصویر کشی کرتے ہیں اس سے بھی صاف ہے کہ ان محبوب اس عالم خاک و باد کا نہیں بلکہ کسی اور عالم کا ہے۔ فرماتے ہیں کہ:

Scanned by CamScanner

مقام تو محبوب کی پاپوش کی جگہ ہے اور اس کی بساط تو وہ صرف بڑوں کے لئے مخصوص ہے"

ما موضعی إلا محل نعالها　　　أما البساط فموضع العظماء

اور ان سب سے بڑھکر خود آزاد کی اپنی تصریحات ہیں جن میں کسی تاویل کی کوئی گنجائش نہیں ہے، اپنے ایک غزلیہ قصیدے میں کہتے ہیں کہ: "(یا رسول اللہ) میں نے اخلاص کے ساتھ آپ کی مدح سرائی کی ہے، اور صرف آپکی رضا کا طالب ہوں، اگرچہ بظاہر حسن تغزل میں مشغول ہوں"

مدحتك إخلاصا و وجهك مقصدی

و إن كنت مشغولا بحسن التغزل

آزاد دوسروں کو بھی مجاز کے سہارے حقیقت تک پہنچنے کی تلقین کرتے ہیں:

عش يا أخانا بالحقيقة شاغلا　　　إن لم يكن فاشغل بحسن مجاز

لا تنتهج إلا طريق صبابة　　　إن كنت تطلب أقوم المعجاز

توارد یا سرقہ

آزاد کی عربی شاعری کا نہ کوئی قدردان تھا نہ نگہبان، چنانچہ وہ لفظی اور معنوی ہر دو سرقات کا شکار ہوئی۔ نواب صدیق حسن خاں کی کتاب اتحاف النبلاء میں ایسے بہت سے اشعار صاحب کتاب کی طرف منسوب ملتے ہیں جو آزاد کے اشعار سے اس قدر مشابہ ہیں کہ انھیں بتکلف بھی توارد خاطر نہیں قرار دیا جاسکتا ہے، مثلا مندرجہ ذیل مطلع و شعر:

يا غادة فتنتني أين مرعاك　　　و حيثما أنتِ عين الله ترعاك

ی عشقت و ما عشقي بمبتدع　　　الإنس و الجن و الأملاك تهواك

جبکہ آزاد کا قول یوں ہے:

يـا ظبية فتنتنـي أين مـرعـاك   و حيث أصبحت عين الله ترعاك
إني هممت و ما أمري بمبتدع   الآس و البـان و الـغزلان تهواك

اور اسی طرح پورے قصیدے کا حال ہے، جو ظاہر ہے کہ توارد نہیں ہو سکتا۔ لیکن اس طرح کا عمل ہمیشہ کے لئے چھپایا نہیں جا سکتا، بقول آزاد کہ اندھیرے میں چراغ چرانے والا خود کو بھلا کیسے پوشیدہ رکھ سکتا ہے:

حـاز الـجـواهـر مـن كنزى و يكتمها
هـل يختفى سارق المصباح في الظلم

تنقید آزاد

کسی بھی شاعر کی طرح آزاد کی شاعری بھی تنقید سے بالاتر نہیں۔ ایسا بھی نہیں ہے کہ ان کا کلام ہر عیب سے پاک اور ان کا ہر شعر معیاری ہو۔ اور ایسا ہونا بھی نہیں چاہئے کیونکہ وہ ایک پر گو اور کثیر الکلام شاعر ہیں، اور ان کی شاعری عربی کے اصحاب منتخبات وحولیات کی شاعری بھی نہیں ہے۔ لیکن بایں ہمہ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ہمارے ہندوستانی ناقدین (إن سلمنا وجودہم جدلاً) نے ان کے ساتھ انصاف نہیں کیا ہے، اور ان کی ایسی تصویر پیش کی ہے گویا ان کے یہاں کچھ بھی قابل اعتناء نہیں ہے اور ان کا کوئی شعر عیب بلکہ عیوب سے خالی نہیں ہے۔

آزاد پر اس غیر متوازن تنقید کا آغاز ـــ میری معلومات کے مطابق شبلی نعمانی صاحب سے ہوا، اور بعد میں آنے والے بغیر کسی غور و فکر کے شبلی کے اقوال ہی کو دہرا رہے ہیں۔ لطف تو یہ ہے کہ شبلی کی تنقید کی بازگشت ان حضرات کی تحریروں میں بھی سنائی پڑتی ہے جو شاید آزاد کے اشعار کو اچھی طرح سمجھ بھی نہ سکتے ہوں۔ شبلی وغیرہ کی آزاد پر

تنقید کا خلاصہ یہ ہے: کہ ان کی شاعری پر عجمیت غالب ہے، وہ عربی اسالیب بیان کا التزام نہیں کرتے ہیں، اور ان کی شاعری صنائع و بدائع کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی ہے ۔اور بقول شبلی آزاد اپنی شاعری کی ان صفات پر بڑے نازاں تھے'' لیکن نکتہ سنج جانتے ہیں کہ یہ ہنر نہیں بلکہ عیب ہے'' اور انکا کلام'' اگر چہ کثرت سے ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ انکے چہرۂ کمال کا داغ ہے'' اور ان کی شاعری میں عجمی اثرات اس قدر ہیں کہ'' اسکو عربی کہنا مشکل ہے''

بلا شبہ شبلی بہت بڑے ادیب و ناقد تھے، اور عربی زبان و ادب میں بڑی مہارت رکھتے تھے لیکن با ایں ہمہ ان کی آراء و افکار سے اختلاف کیا جا سکتا ہے بلکہ وہ خود اس خوش رسمی کی بناء ڈالنے والوں میں سے ایک ہیں۔ آزاد پر ان کی اور دوسروں کی یہ تنقید دو جہتوں سے قابل تنقید ہے: پہلی یہ کہ ان کے ناقدین کی تعمیم مبالغہ آمیز ہے اور ان کا اطلاق مطلقا خلاف واقعہ ہے۔

آزاد ایک عجمی شاعر تھے اور ان کی شاعری میں عجمیت کا اثر بالکل فطری بات ہے، لیکن انکے ایسے اشعار کی تعداد بہت مختصر ہے جن میں انھوں نے کبھی بطور تفنن، کبھی عصری تقاضوں کے زیر اثر، اور کبھی عربی شاعری میں اضافے کی غرض سے عجمی اثرات کو قصدا عربی شاعری میں منتقل کرنے کی کوشش کی ہے، جیسا کہ اعشی اور ابو نواس وغیرہ نے کیا ہے ،ورنہ ان کے کلام کا غالب حصہ لفظا و معنا اور قلبا و قالبا عرب شعراء کے طرز پر ہے۔ انھوں نے عربی تراکیب، تشبیہات اور استعارات کو استعمال کیا ہے، عربی کے اسالیب کو برتا ہے عربی کی بحروں، ہیئتوں، وزنوں اور صنفوں میں شاعری کی ہے، موضوعات میں بھی عموما انھی کی تقلید کی ہے۔ اس کے بعد ان کی تمام شاعری کو عجمیت کے زیر اثر کیسے قرار دیا جا سکتا ہے۔ آج کے عرب ادباء و ناقدین کو بھی اس بات کا اعتراف ہے ان کا بیشتر کلام

Scanned by CamScanner

’عربی السلیقہ‘ ہے۔

آزاد پر دوسرا الزام خالص عربی اسالیب بیان کا التزام نہ کرنے کا ہے، اس سلسلے میں صرف یہی کہنا چاہونگا کہ یہ وہ الزام ہے جس میں متنبّی اور ابوالعلامعری بھی آزاد کے شریک ہیں، بقول ابن خلدون:

”إن نـظم المتنبی و المعری لیس هو من الشعر في شیئ لأنهما لم یجریا علی أسالیب العرب من الأمم“

ظاہر ہے کہ جس عیب سے متنبّی اور معری جیسے بڑے شعراء خود کونہیں بچا سکے اس کی بنیاد پر آزاد جیسے متاخرین اور عجمی شعراء کو ہدف تنقید بنانا کیونکر معروضی تنقید ہوسکتی ہے۔تیسرا الزام ان کی شاعری میں لفظی اور معنوی صنعتوں کی کثرت کا ہے، گزشتہ دونوں الزامات کی طرح یہ بھی ایک حقیقت ہے لیکن اسی درجے کی حقیقت یہ بھی ہے کہ ان کی جملہ شاعری کو اسیر صنعت گری قرار دینا صحیح نہیں ہے۔

اطلاق وتعمیم کے علاوہ اس تنقید کا دوسرا قابل گرفت پہلو یہ کہ اس میں شاعر کے عہد اور ماحول کی قطعی رعایت نہیں کی گئی ہے۔آزاد کا عہد فکری تفنن کا عہد تھا، اور ان پر کی جانے والی تنقید میں عہد اور اس کے رجحانات کی رعایت ہونی چاہئے۔لیکن شبلی کی مشکل یہ تھی کہ ان کے سامنے عربی شاعری کا جو نمونہ تھا وہ صرف اصحاب معلقات اور صدر اسلامی کی شاعری تھی اور انھوں نے اسی معیار پر آزاد کو پرکھنے کی کوشش کی، اگر وہ آزاد کا مقارنہ ان کے معاصر ممکو کی وعثمانی شعراء سے کرتے تو کبھی اس نتیجے پر نہیں پہنچتے۔پھر ان کی طبیعت میں ”عظمت پسندی“ کا عنصر جس طرح غالب تھا کہ اگر وہ آزاد کے ہم عصر شعراء سے واقف بھی ہوتے تو بھی وہ عصور اولی کے معیار سے کم پر راضی ہو۔نے والے نہیں تھے۔

Scanned by CamScanner

متاخرین نے بھی آزاد کی شاعری کے مثبت و معروضی مطالعے کے بجائے صرف شبلی کی تنقیدات پر ہی بھروسہ کیا۔ اور اگر شبلی نے انھیں اصحاب معلقات کے معیار پر تولنے کی کوشش کی تھی تو ان حضرات نے جدید شعراء جیسے بارودی، شوقی اور حافظ وغیرہ سے ان کا مقابلہ و موازنہ کیا۔ اور یہ معیار بھی اتنا ہی غیر مناسب تھا جتنا شبلی کا معیار۔ کسی شاعر اور اس کے فن کی حقیقی قدر و قیمت کا اندازہ تو اس کے معاصرین ہی سے اس کا موازنہ کر کے لگایا جا سکتا ہے۔ اور اگر ہم عصر مملوکی و عثمانی کے شعراء سے آزاد کا موازنہ کریں تو پائینگے کہ انکی حالت بہتوں سے اچھی ہے، اور اگرچہ لفظی صناعی اور تکلف و آورد کا ان کی شاعری پر کہیں کہیں گہرا اثر ہے لیکن بایں ہمہ وہ عموما قوی معنویت اور گہرائی و گیرائی کی حامل ہے۔

آزاد کے ساتھ اس ناانصافی کا ایک سبب ان کا ایک ایسے عہد میں ہونا ہے جسے ''دانشوران مغرب'' نے اتفاقِ رائے سے عہد زوال و انحطاط قرار دے دیا ہے، حتی کہ عربی ادب کی کتابوں میں بھی عہد جاہلی، اسلامی، اموی، عباسی اور عہد زوال کے نام ہی ادبی عصور کی تقسیم ملتی ہے۔ حالانکہ قاعدے کی رو سے پہلے چار عہدوں کی مانند آخری عہد کو عہد زوال کے بجائے عہد ترکی یا عہد مملوکی و عثمانی ہونا چاہیے، اور یہی بات زیادہ قرین انصاف ہے۔ یہ اکثر دیکھا گیا ہے کہ ہم اپنے حزم و احتیاط اور استشراق شناسی کے دعووں کے باوجود استشراقی و مغربی پروپگنڈے کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اور ایسا ہی کچھ یہاں بھی ہوا ہے۔ اور جب آزاد کا پورا عہد ہی عہد زوال ٹھہرا تو اس میں کسی صاحب کمال کی توقع اور کسی موازنے کی حاجت ہی نہ رہی، اور بے چوں و چرا شبلی کی رائے کو حرف آخر ہی کی طرح لیا گیا۔

اس میں شک نہیں کہ عربی ادب کے اس دور میں اپنے ماسبق دور کے مقابلے

Scanned by CamScanner

میں کسی قدر کمزوری در آئی تھی لیکن یہ ضعف و کمزوری اسکو دور زوال سے موسوم کرنے کی کوئی معقول وجہ نہیں ہے ورنہ دور جاہلی یا زیادہ سے زیادہ جاہلی اور اسلامی دور کے علاوہ عربی ادب کے تمام ادوار کو اسی نام سے موسوم کیا جانا چاہیے۔

آخر اس تسمیہ کی وجہ کیا ہے؟ ڈاکٹر بکری شیخ امین اپنی کتاب ''مطالعات في الشعر المملوکی والعثمانی'' میں اس کی بنیادی وجہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ:

”و لسنا ندری لذلك سببا ، اللهم إلا أن يكون هذا لعصر هو الذي قاوم جحافل الغرب التي استحكمت حينا من الدهر في هذه البلاد، و دفع الوثنيه التي جاء ت على سيوف التتار و رماحهم ، و ملأ المكتبة العربية التي خوت بمصيبة بغداد و سواها بالتراث العربي و الإسلامي المشرقين ، و أعاد إلى النفس العربية عزتها و ثقتها“

(ہم اس (تسمیہ) کی کوئی وجہ نہیں جانتے ہیں، سوائے اس کے کہ یہی وہ دور ہے جس نے مغرب کے ان عظیم لشکروں کا مقابلہ کیا جو ایک عرصے تک سرزمین عرب میں مضبوطی سے جمے ہوئے تھے، اور (عرب سے) اُس وثنیت اور بت پرستی کو دور کیا جو تاتاریوں کے شمشیر و نیزوں کے سہارے داخل ہوئی تھی، اور یہی وہ دور ہے جس نے عربی کتب خانوں کو، جو کہ بغداد وغیرہ کے سانحوں میں خالی ہو گئے تھے، عربی و اسلامی کتابوں سے بھر دیا، اور عربوں کی ضمیر کے عزت و اعتماد کو بحال کیا)

اس نام کی شہرت و قبولیت میں عربی ادب کے دور جدید میں الحاد و دہریت کی کثرت اور ترکی دور سے سیاسی و فکری اختلافات کا بھی نمایاں کردار رہا ہے۔

یہ دور ابن خلدون، ابن عربی، ابن فارض، سیوطی، سرخسی، ابن منظور، قلقشندی اور نویری وغیرہ کا دور ہے، اور جس دور میں ایسے افاضل ہوں اسے دور زوال کہنا کسی طرح

Scanned by CamScanner

جائز نہیں ہے۔ شیخ ابن تیمیہ، ابن جوزی اور ابن قیم بھی اسی دور کے ہیں۔

مغرب کا دوہرا معیار کوئی نئی چیز نہیں ہے پورے دور ترکی کو دور زوال کہنے والوں کے نزدیک عظمت و عبقریت کا معیار کیا ہے اس کے لئے ڈاکٹر بکری کی مذکورہ کتاب سے صرف مندرجہ ذیل مثال کافی ہے:

مشہور اسپینی نژاد فرانسیسی مصور و نقاش پابلو پیکاسو (۱۸۸۱۔۱۹۷۳ء) نے از راہ مزاح ایک دن خچر کی دم کو رنگ میں ڈبو کر اسے کینوس کے سامنے کر دیا خچر کی دم ہلنے سے کینوس پر آڑی ترچھی لکیریں ابھرنے لگیں، رنگ بدلتے رہے، دم ہلتی رہی اور لکیریں بنتی رہیں تھوڑی دیر میں مختلف رنگوں اور لکیروں سے کینوس کی سطح بھر گئی۔ اب ''فنکاری'' کے اس نمونے کے لئے ایک عنوان کی ضرورت تھی، پیکاسو نے کئی نام سوچے جیسے: شکست خوردہ سپاہی، فکر کی مکڑی، اشک محبوبہ اور تتلی کا نغمہ وغیرہ لیکن وہ خود ان ناموں سے راضی نہیں ہوا، اور اس کے لئے ایک بے معنی عنوان ''بچیوں کی کائی'' تجویز کیا۔

اگلے دن یہ تصویر نمائش کے لئے پیش کی گئی اور ناقدین فن اسکے مطالعے، تحلیل و تجزیہ اور اس سے معانی کے استخراج و استنباط میں لگ گئے، کسی نے اسے بیسویں صدی کا معجزہ قرار دیا تو کسی نے اسے عصر حاضر کا بے مثال نمونہ بتایا، بعض کو اس کی تعریف و توصیف کے لئے مناسب الفاظ نہیں ملے تو اس نے حیرت و سکوت کے ذریعے اس 'نادرۂ روزگار' کو خراج تحسین پیش کیا۔ اخبار و رسائل نے ناقدین کے ان تبصروں کو شہ سرخیوں میں شائع کیا اور دنیا کی ایک زبان سے دوسری زبان میں یہ تبصرے منتقل ہوئے، یہاں تک کہ کوئی بھی 'محب فن' ایسا نہیں بچا جس نے ''بچیوں کی کائی'' کے بارے میں کچھ پڑھا نہ ہو، اور ایک عاشق فن نے اس تصویر کو ساڑھے تین لاکھ اسٹرلنگ پاؤنڈ میں خرید لیا۔

یہ مغربی ''عبقریت'' کا معیار ہے، دوسری طرف پورا عہد مملوکی و عثمانی عہد زوال ہے۔ یہ

Scanned by CamScanner

عہد، جیسا کہ عرض کیا گیا، ادبی تفنن اور لفظی صناعی کا دور تھا، اوراس وقت عرب وعجم یا مشرق ومغرب کوئی بھی ان سے مستثناء نہیں تھا، مثلا ایک مملو کی شاعر کہتا ہے:

لقلبي حبيب ، مليح ، طريف   بديع ، جميل ،رشيق ،لطيف

اس شعر کے مفردات کے باہمی تبادل سے چالیس ہزار تین سو بیس شعر بنتے ہیں ،عثانی دور کے ایک شاعر نے کسی شادی کا مادۂ تاریخ اس طرح نکالا ہے کہ آخری شعر کے تمام حروف مہمل اور تمام حروف معجم سے الگ الگ وہی تاریخ نکلتی ہے، علاوہ ازیں اسی شعر میں اس تاریخ کا صراحتا بھی ذکر موجود ہے

أيها الكامل يا من أخبرَت   عن علاه فئة بعد فئة
خذ تواريخا ثلاثا جُمِعَت   لك في مفردِ بيتٍ مُنبِئة
بصريح ، و حروف أعجِمَت   و حروف أهمِلَت مُختَبِئة
عَمّ حولٌ وسرور العرس وهُـ   وَ ، ثلاثون و ألفٌ و مِئة

اس دور میں صنعت مہملہ اور معجمہ میں کتابیں تصنیف ہوئیں اور قصائد نظم کئے گئے، فیضی کی ضخیم بے نقط تفسیر قرآن ''سواطع الالہام'' بھی اسی عہد کا ایک نمونہ ہے اسکی افادیت سے قطع نظر یہ زبان و بیان پر غیر معمولی قدرت کا ایک شاہکار ہے، اس میں ایسی تحریریں اور نظمیں لکھی گئیں جنھیں افقی طور پر پڑھیے تو مدح ہے اور عمودی طور پر پڑھیے تو ہجو ہے، یا انھیں عکسا وطردا پڑھنے پر الگ الگ معنی نکلتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ان نمونوں کی تعریف مقصود نہیں ہے لیکن یہ انسانی عقل کی پیداوار اور غور فکر کا نتیجہ ہیں۔انھیں ادبی و معنوی اعتبار سے کم قیمت ضرور کہا جاسکتا ہے لیکن ان میں پیکاسو کے ''شاہکار'' جیسا کوئی نہیں ہے۔علاوہ ازیں اسی دور نے ہمیں مقدمۂ ابن خلدون، لسان العرب، صبح [illegible] اور نہایۃ الأرب جیسی ادبی کتابیں بھی دی ہیں جن کے بغیر کوئی عربی کتب خانہ مکمل نہیں ہو

سکتا ہے۔

آزاد کو بھی اسی دور کے تناظر میں دیکھنا چاہئے اور اسی کے معیار پر پرکھنا چاہئے یہی وجہ ہے کہ ہمارے ہندوستانی ناقدین کے برخلاف عرب ادباء وناقدین میں سے جس نے بھی آزاد کا مطالعہ کیا اس نے ان کے فضل وکمال کا اعتراف کیا۔

استاد شلقامی نے تو انھیں اپنے معاصرین میں سب سے بہتر و بلندتر قرار دیا " إذا قارنا شعر آزاد بغيره من معاصريه ۔ العصر التركي. وجدنا أنه القمه لا يكاد شاعر من معاصريه أن يسمو إليه" انھیں عظیم و پیشرو قرار دیتے ہوئے بارودی سے تشبیہ دی ہے ۔" لقد كان شاعرنا آزاد فحلا رائدا من طراز البارودي " اور آزاد کی گمنامی یا کمنامی کی بے حد واقعیت پر مبنی توجیہ کی ہے کہ وہ ایک ایسے ماحول میں ہوئے جو (علمی وفکری) طور پر ان کے استقبال کے لئے تیار نہیں تھا" ولكن لم تسلط عليه الأضواء حيث وجد في بيئة غير مستعدة لاستقباله "

شمامة العنبر

آزاد بلگرامی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ تصنیف ''شمامۃ العنبر في ما ورد في الهند من سید البشر'' اپنے موضوع پر ایک منفرد تصنیف ہے۔ آزاد نے خود بھی اپنے مقدمے میں اس کی انفرادیت کی طرف اشارہ کیا ہے۔ انھوں نے یہ رسالہ اپنے قیام ارکاٹ (کرناٹک) کے دوران تصنیف کیا تھا، اور اتوار، ۲۱ر شعبان ۱۱۶۳ھ میں اس کی تکمیل ہوئی تھی۔ بعد میں اورنگ آباد کے قیام کے دوران جب انھوں نے اپنی معرکۃ الآراء تصنیف ''سبحۃ المرجان في آثار ہندوستان'' ترتیب دی تو موضوع کی یکسانیت اور ہم آہنگی کے سبب اس رسالے کو سبحہ کی پہلی فصل بنادیا۔ اور اس دوران موضوع سے متعلق جو مزید باتیں انھیں معلوم ہوئیں اسے بھی رسالے کے آخر میں شامل کردیا۔

اس رسالے کا موضوع — جیسا کہ اس کے عنوان سے ظاہر ہے — ہندوستان سے متعلق تفسیر و حدیث کی کتابوں میں وارد روایتیں ہیں۔ ان روایتوں کی روشنی میں مولف نے جو نتائج اخذ کیے، یا ان میں تعارض ہونے کی صورت میں انھوں نے جو تطبیق و توجیہ کی کوشش کی ہے وہ بھی اس رسالے کا حصہ ہیں، اور اس رسالے کا تیسرا عنصر سیاحوں، جہاز رانوں، اور زائرین قدم آدم علیہ السلام کی وہ روایات و حکایات ہیں جنھیں آزاد نے پڑھا یا پھر بالواسطہ یا بلا واسطہ سنا۔

آزاد کو ہندوستان سے بے پایاں محبت تھی، اور اس محبت کا اظہار ان کے منظ[illegible] منثور کلام میں جابجا ملتا ہے، شاید یہی محبت اس رسالے کی تالیف کا بنیادی محرک ہو [illegible] یقیناً ارکاٹ میں ان کے قیام کے دوران یہ محرک اور قوی ہوا ہوگا، کیونکہ وہاں ان کی

Scanned by CamScanner

ملاقات شری لنکا سے ہو کر آنے والے کئی سیاحوں سے ہوئی تھی، اور شری لنکا سے قریب اور اس کے راستے میں ہونے کے سبب ارکاٹ میں بار بار یہ موضوع ان کے سامنے آیا ہوگا، لہذا انھوں نے اس رسالے کو ترتیب دینے کا قصد کیا اور مکمل کیا۔

آزاد کے نزدیک اس رسالے کا مقصد صرف یہ تھا کہ ہندوستان کے بارے میں اسلامی کتابوں میں جو کچھ منتشر صورت میں موجود ہے اسے بغیر کسی بحث و تمحیص یا جرح و تنقید کے جمع کر دیا جائے، اور اس کی صحت و سقم یا قوت و ضعف سے کوئی تعرض نہ کیا جائے، یہی وجہ ہے کہ وہ رسالے میں بار بار اس بات کو دہراتے ہیں کہ ''جو کچھ کتب تفسیر و حدیث میں آیا ہے'' یا ''جو کچھ کتابوں میں مجھے ملا ہے'' وغیرہ وغیرہ۔ آزاد کی تحریروں میں عام طور پر گہرا تنقیدی شعور ملتا ہے، لیکن اس رسالے میں اس کی تلاش عبث ہے کیونکہ یہاں ان کی مقصدیت ہی مختلف ہے۔ لہذا ڈاکٹر فضل الرحمان صاحب یا کسی کا یہ کہنا کہ آزاد نے اس میں فن حدیث کی رعایت نہیں کی ہے۔ غیر ضروری ہے۔ آزاد خود ایک بلند پایہ محدث اور ایک اعلیٰ درجے کے معقولی عالم تھے، اور وہ اس رسالے کی روایات کی استنادی حیثیت اور درایتی قدر و قیمت سے خوب واقف رہے ہونگے۔ لیکن اس رسالے میں ان کی حیثیت صرف ناقل و آخذ کی ہے، جس سے صرف اتنا مطلوب ہوتا ہے کہ وہ نقل میں صحت و امانت کا خیال رکھے۔

رسالے میں صحیح ترین سے ضعیف ترین تک ہر قسم کی روایتیں شامل ہیں، بلکہ اس میں بعض ایسی روایتیں بھی ہیں جو اصول روایت کے صراحتاً خلاف، اور عقل و درایت سے بداہتاً متعارض ہیں۔ سیاحوں اور قدیم جغرافیا دانوں کے بعض بیانات تو مضحکہ خیز حد تک [illegible] عقل و واقعہ ہیں۔ لیکن بایں ہمہ اس رسالے یا سبحۃ المرجان کی اس فصل کی قدر و [illegible] میں کوئی کمی نہیں آتی، کیونکہ آزاد نے صرف جمع و ترتیب کی بات کی ہے، تحقیق و

تدقیق کا دعوی نہیں کیا ہے۔ ان کا یہی کارنامہ کچھ کم نہیں کہ انھوں نے اس موضوع کو تقریباً تین درجن مختلف کتابوں سے نکال کر یکجا کر دیا ہے۔

اس رسالے کا بنیادی ماخذ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ کی تفسیر الدر المنثور ہے، بیشتر روایتیں اسی سے ماخوذ ہیں۔ دوسرے مآخذ میں اگر ایک طرف صحیحین، سنن النسائی، سیوطی کی احسن الوسائل الی معرفۃ الاوائل، الخصائص الکبری، اور المتوکلی، طبری کی تاریخ، غزالی کی احیاء علوم الدین، بیہقی کی دلائل النبوہ، اور کتاب الدعوات، طبرانی کی المعجم الاوسط، شیخ اکبر کی الفتوحات المکیہ، قسطلانی کی المواہب اللدنیہ، بیضاوی کی انوار التنزیل، قرطبی کی الجامع لأحکام القرآن، ملا علی قاری کی شرح مشکاۃ، مسعودی کی مروج الذہب، دمیری کی حیاۃ الحیوان الکبری، محدث دہلوی کی جذب القلوب، حلبی کی انسان العیون، ابشیہی کی المستطرف في کل فن مستظرف، بیرونی کی قانون مسعودی، جوہری کی الصحاح، ازرقی کی تاریخ مکہ اور فیروزابادی کی القاموس المحیط جیسی مشہور و معروف کتابیں ہیں تو دوسری طرف تاریخ القدس، کتاب الطب، تحفۃ الغرائب، محاضرۃ الأوائل، خریدۃ العجائب، تحفۃ المومنین، منسک اور لوامع النجوم جیسی غیر مشہور کتابیں بھی شامل ہیں۔

ترجمے کے دوران راقم نے پہلی قسم کی تقریباً ساری کتابوں کا مراجعہ کیا جبکہ دوسری قسم کی اکثر کتابوں تک اس کی رسائی نہیں ہو سکی، اور نہ ان تک پہنچنے کا کوئی خاص اہتمام کیا، کیونکہ اس ترجمے کی غرض و غایت محض عام اردو قاری سے آزاد اور ان کی اس مفید و دلچسپ تصنیف سے متعارف کرانا ہے۔ لہذا ترجمے یا تحقیق کے اصول کو بھی بہت گہرائی سے بروئے کار نہیں لایا گیا ہے۔

اس عمل کے دوران کتاب کا سب سے نمایاں وصف جو سامنے آیا ہے وہ یہ کہ اتنے کثیر اور متنوع حوالوں میں ایک حوالہ بھی ایسا نہیں ملا جس میں کسی قسم کی کو[illegible]

یا معنوی تحریف ہو۔کوئی لفظی تحریف تو ڈاکٹر فضل الرحمان صاحب کو نہیں ملی البتہ ان کا خیال ہے کہ آزاد نے بعض جگہے معنوی تحریف سے کام لیا ہے جیسا کہ انھوں نے اپنے مقدمے میں اشارہ کیا ہے، حالانکہ اس کی حقیقت صرف اتنی ہے کہ آزاد نے روایتوں میں تعارض ہونے کی صورت میں تطبیق دینے کی کوشش کی ہے، یا نصوص کے الفاظ کے بجائے ان کے معانی ومراد کے ذکر پر اکتفاء کیا ہے، یا عبارت النص کے بجائے اشارت واقتضاء سے استدلال کیا ہے اور یہ سب مقبول اور معمول بہ علمی طریقے ہیں۔اور ایسے حوالوں کی تعداد بھی پانچ سات سے زیادہ نہیں ہے بقیہ سیکڑوں حوالے حرفی ہیں اور بغیر کسی تحریف و تغییر کے ہیں۔مختصر یہ کہ آزاد کی یہ تصنیف ان کا ایک وقیع علمی کارنامہ ہے۔

علی گڑھ :

۷/شوال ۱۴۲۴ھ مطابق: ۲/دسمبر ۲۰۰۳ء

سید علیم اشرف جائسی

شعبۂ عربی، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی

Scanned by CamScanner

مقدمہ کے بعض اہم مراجع:

۱۔سبحۃ المرجان في آثار ہندوستان، ممبائی: ناشر مرزا محمد شیرازی، ۱۳۰۳ھ، وسبحۃ المرجان، تحقیق: ڈاکٹر فضل الرحمان ندوی سیوانی، علی گڑھ: ادارۂ علوم اسلامیہ، مسلم یونیورسٹی، ۱۹۷۶ء۔

۲۔مآثر الکرام، ترجمہ وتعلیق: محمد خالد فاخری، کراچی: دائرۃ المصنفین، ۱۹۸۳ء۔

۳۔دواوین آزاد، آزاد لائبریری، علیگڑھ مسلم یونیورسٹی۔

۴۔اردو دائرۂ معارف اسلامیہ، لاہور: دانشگاہ پنجاب، ۱۹۶۶ء۔

۵۔مقدمۂ ابن خلدون، قاہرہ: المکتبہ التجاریہ، غیر مورخ۔

۶۔ابوالفضل، آئین اکبری، مطبعہ نولکشور، ۱۸۸۱ء۔

۷۔رحمان علی، تذکرہ علمائے ہند، مرتبہ: محمد ایوب قادری، کراچی: پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی ۱۹۶۱ء۔

۸۔عبدالحی حسنی، الإعلام بمن في تاریخ الہند من الأعلام، رائے بریلی دار عرفات، ۱۹۹۱ء۔

۹۔مقالات شبلی نعمانی، جلد پنجم، بار دوم؛ اعظم گڑھ: مطبع المعارف، ۱۹۵۵ء۔

۱۰۔جمیل احمد، حرکۃ التألیف باللغۃ العربیۃ في الإقلیم الشمالی الہندی، في القرنین الثامن عشر والتاسع عشر، کراچی: جامعۃ الدراسات الإسلامیۃ، غیر مورخ۔

۱۱۔بکری شیخ أمین، مطالعات في الشعر المملوکی والعثمانی، بار چہارم؛ بیروت: دار العلم للملایین، ۱۹۸۳ء

۱۲۔عبدالمقصود شلقامی، حسان الہند غلام علی آزاد' مجلہ الأزہر، مجلد: ۴۸، قاہرہ: نومبر، ودسمبر، ۱۹۷۶ء

13 - Amar Singh Bhagat, District Gazeteer (Hardoi), Lucknow: Government of U.P. Press, 1987.

14 - Zubaid Ahmad, Contribution of Indo-Pak to Arabic Literature, Lahor: Shaikh Mohammad Ashraf , 1946.

Scanned by CamScanner

ترجمہ کتاب

شمامة العنبر في ما ورد في الهند من سيد البشر

مع حواشی وتخریجات

Scanned by CamScanner

تفسیر وحدیث میں ہندوستان کا تذکرہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم: پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے بندوں میں سے جسے چاہا حسن قبولیت کے ساتھ مخصوص کرلیا۔ اور درود وسلام ہو اللہ کی بے نیام تلواروں میں سے ہندوستانی تلوار پر، اوران کی آل پر جو (ہدایت) کے ایسے آفتاب ہیں جنھوں نے زمین کے چارسو کو روشن ومنور کیا، اوران کے اصحاب پر جن کے نقش قدم نے جبین دہراور اس کے تمام گوشوں کو مشرف کیا۔

امابعد!

یہ ایک ایسی کتاب ہے کہ کسی نے بھی اس طرز پر کوئی کتاب تصنیف نہیں کی ہے۔ نہ ہی کسی ذہن میں اس طرح کا خیال آیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس متوکل و وسیلہ جو بندے فقیر غلام علی کو اسے تالیف کرنے کی توفیق عطا کی جو از روئے نسب حسینی، واز روئے اصل واسطی اور باعتبار وطن بلگرامی ہے۔ پوشید اور اعلانیہ ہر دو طور پر اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ لطف وکرم کا معاملہ فرمائے۔ اس نے اس کتاب میں تفاسیر واحادیث میں جو بھی ہندوستان کا تذکرہ پایا ہے جمع کردیا ہے، اور اس کا نام " شمامة العنبر فی ما ورد فی الھند من سید البشر " رکھا ہے۔ بارگاہ ربوبیت اور درگہ رحمانیت میں التجاء ہے کہ وہ ساری دنیا کو اس کی خوشبوؤں سے معطر فرمائے۔ اور چہارسو اس کی مہک پھیلا[ئے] وہی غالب ومددگار ہے اور وہی احسان وکرم کا حقدار ہے۔

Scanned by CamScanner

جانو! اللہ تعالیٰ تمہاری حفاظت فرمائے۔ جب اللہ تعالیٰ نے ازل میں اپنے اسماء وصفات کی جولانگاہوں اور اپنے انوار و تجلیات کے آئینوں کا تقاضہ فرمایا تو اس نے مخلوقات کو پیدا کیا، اور حقائق کو ظہور بخشا اور آخری مظاہر تک کی تخلیق فرمائی۔ اور ان مظاہر کا کامل ترین نمونہ نوع انسانی ہے، جسے اللہ نے اپنی صورت کریمہ کی تجلیوں سے سنوارا اور اپنی قدیم صفات کے زیوروں سے آراستہ کیا۔ اور آدم علیہ السلام کو اس نوع کا آغاز کنندہ اور انسانیت کی ابتدا کرنے والا بنایا، انھیں اپنی بارگاہ قدس کے لئے بطور خلیفہ منتخب فرمایا، اور اپنی پاک مسند کی زینت بنایا، انھیں اسمائے مقدسہ کی تعلیم دی اور نفوس ملکیہ (فرشتوں) کو ان کے سجدے کا حکم دیا۔ پھر انہیں آسمان سے زمین پر اتارا اور یہ زمین سرزمین ہندوستان ہے، جسے اللہ تعالیٰ نے دارالخلافت بنایا، اور اس شرف کے لئے اسے خاص فرمایا۔ تو یہ خلیفہ تختِ کرامت و بزرگی پر مسند نشیں ہوا، اور قیامت تک کے لئے اللہ کے احکام کو جاری وساری کیا، علوم الٰہیہ کی نشرواشاعت کی، اور غیبی حقائق کو ظاہر کیا۔ چنانچہ اس کے سبب اقلیم ہندوستان کو بہت سی برکتیں اور بے حساب خصوصیتیں حاصل ہوئیں۔ لیکن اس بات کو ایک زمانہ گزر گیا اور اس پر ایک عرصہ دراز بیت گیا، حتی کہ اسلامی کتابوں میں اس کی خبروں میں سے چند چیزوں کے سوا کچھ بھی باقی نہیں رہا، جس کی مثال سلسبیل (دریائے عظیم) کے مقابلے میں ایک قطرے جیسی ہے۔ علاوہ ازیں ان باقی ماندہ آثار کی ندرت و کمیابی اور پھر ان میں سے بہتر تک پہنچنے کے اسباب کی قلت کی وجہ سے اِن میں سے بھی بہت مختصر چیزوں تک میری رسائی ہوسکی ہے۔

ان آثار واخبار میں (سرفہرست) اللہ تعالیٰ کے خلیفہ اور اس کے صفی علیہ السلام [illegible] کے ذریعہ سرزمین ہندوستان کا مشرف ہونا ہے، اسی لئے میں نے سرندیپ (سری لنکا) کو دارالخلافت کا نام دیا ہے اور مجھ سے قبل کسی نے اس (جزیرے) پر دار

الخلافت کا اطلاق نہیں کیا ہے جب کہ یہ اس نام کا مستحق ہے، تو گویا اللہ تعالیٰ نے مجھے اس کا الہام فرمایا ہے۔

شیخ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (۱) الدر المنثور میں سورۂ ''الاحقاف'' کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ ابن ابی حاتم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے (حدیث) تخریج کی ہے، آپ نے فرمایا کہ: ''لوگوں کے لئے سب سے بہتر مکہ کی وادی ہے اور سرزمین ہندوستان کی وہ دادی ہے جہاں حضرت آدم علیہ السلام کا نزول ہوا'' الحدیث۔ (۲) میں کہتا ہوں کہ اس (حدیث) میں ہندوستان کی ایک مخصوص جگہ کا شہر امین (مکہ معظّمہ) کی اُس زمین سے مقارنہ و مقابلہ ہے جیسے قیامت تک کے لئے اللہ تعالیٰ نے شرف بخشا ہے۔ اور مقابلہ کی دلیلوں اور نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ (پہلے) جوڑے میں سے ایک یعنی آدم سرندیپ (شری لنکا) میں اترے اور دوسرا یعنی حوا جدہ میں

---

(۱) جلال الدین، عبدالرحمان بن ابی بکر بن محمد سیوطی، مصر کے شہر اسیوط میں ۸۴۹ھ میں پیدا ہوئے، اور وہیں ۹۱۱ھ میں وصال ہوا، جملہ عصری و متداول اسلامی و عربی علوم و فنون میں انکی تصنیفات ہیں، کثرت و تنوع تصانیف کے اعتبار سے اسلامی تاریخ میں انکی مثال خال خال ہی ملتی ہے، حسن المحاضرہ کی تصنیف کے وقت انکی تعداد تین سو پہنچ چکی تھی، جیسا کی کتاب میں موجود خود نوشت سوانح میں ہے، بعد میں یہ تعداد بڑھ کر تقریبا دوگنی ہوگئی۔

دیکھئے: حسن المحاضرہ في تاریخ مصر والقاھرۃ، جلال الدین سیوطی، تحقیق: محمد ابوالفضل ابراھیم، بار اول؛ قاھرہ: مطبعہ عیسی بابی حلبی، ۱۹۶۷ء، ۱: ۳۳۵۔ وکتاب 'جلال الدین السیوطي' قاھرہ: الھیئۃ المصریۃ العامۃ للکتاب، ۱۹۷۸ء۔ یہ ضخیم کتاب حکومت مصر کی جانب سے ان پر منعقد سیمینار (۶ تا ۱۰ر مارچ ۱۹۷۶ء) میں پیش کئے جانے والے مقالات کا مجموعہ ہے، اور سیوطی کی شخصیت اور آثار پر ایک وقیع دستاویز ہے۔

(۲) الدر المنثور في التفسیر بالمأثور، قاھرہ: مطبعہ میمنیہ، ۱۳۱۴ھ، ۶: ۴۳، زیر تفسیر آیت ''واذکر أخا عاد''

نازل ہوئیں۔ اور جس پہاڑ پر آدم علیہ السلام اتارے گئے تھے، انھوں نے اس کا نام ''مقدس پہاڑ'' رکھا تھا، اور وہ اس پر فرشتوں کی آوازیں سنتے تھے، [اور دیکھتے تھے کہ کس طرح انھوں نے عرش الٰہی کو گھیر رکھا ہے، اس پہاڑ پر حضرت آدم کو جنت کی ہوا اور خوشبو بھی ملتی تھی، جیسا کی انشاء اللہ حضرت عبداللہ بن عباس سے مروی ابن سعد کی حدیث میں عن قریب آئے گا۔](۱)

شیخ علی رحمۃ اللہ علیہ کتاب ''محاضــرة الأوائل ومسامرة الأواخر'' میں فرماتے ہیں کہ: پہلا مقام جہاں سے حکمتوں کے چشمے پھوٹے ہندوستان ہے اور پھر حرم مکی ہے، یہ چشمے انسانیت کے معلم اول آدم صفی اللہ کی زبان سے پھوٹے۔ اللہ کا درود وسلام ان پر اور تمام انبیا پر ہو۔ شیخ نے اپنی تفسیر میں ذکر کیا ہے اور اپنے محاضرات میں بھی کہا ہے کہ: اولین جگہ جہاں کتابیں لکھی گئیں اور جہاں سے آدم علیہ السلام کی زبان سے حکمت کے چشمے جاری ہوئے وہ ہندوستان ہے۔ انھوں نے متعدد بار پیدل حج کیا، پھر حرم شریف کی جانب ہجرت کی کیوں کہ تمام زمینوں پر اسے فضل وشرف حاصل ہے، مکان و جوار کے شرف سے مشرف ہونے والے وہ پہلے مہاجر ہیں لہذا ہجرت انبیاء ومرسلین کی سنت ہے، اِن سب پر اللہ کی رحمت اور سلامتی ہو۔

امام زاہد نے عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول اپنی تفسیر میں فرمایا ہے کہ: آدم ہندوستان کے سرندیپ میں اتارے گئے اس حال میں کہ وہ داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھے تھے، اور حوا جدہ میں اتاری گئیں۔ اور سرندیپ سے جدہ سات سو فرسخ (۲) کے فاصلے پر ہے۔ اور تاریخ قدس میں ہے کہ جب آدم علیہ السلام سرندیپ پر اترے تو انھوں نے اور کائناتی نشانیوں کے مشاہدے کا سجدہ کیا تو ان کی پیشانی بیت المقدس کی

---

(۱) قوسین کی عبارت ادارہ علوم اسلامیہ، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے مطبوعہ نسخے میں نہیں ہے۔

(۲) فرسخ: فارسی لفظ ''فرسنگ'' کا معرب ہے، اور ایک فرسخ برابر تین میل ہوتے ہیں۔

Scanned by CamScanner

چٹان پر پڑی کیونکہ روئے زمین پر وہی بلند ترین مقام ہے اور اسی جگہ سے آسمان کی طرف معراج اور چڑھنے کا راستہ جاتا ہے۔

امام غزالی قدّس سرّہٗ (۱) نے ''بداء الخلق'' میں کہا ہے کہ: آدم سرزمین ہندوستان کے سرندیپ میں ایک ایسے پہاڑ پر اترے جسے ''بوذ'' کہا جاتا ہے، اور حوا سرزمین حجاز کے (مقام) جدہ میں اتریں، اور ابلیس عراق کے بابلہ میں اترا، اور کہا جاتا ہے کہ بصرہ سے چند میل پر دست میسان یا بیسان (۲) میں اترا، سانپ اصبہان میں نازل ہوا اور مور کابل میں اترا۔

سیوطی ''الدر المنثور'' میں لکھتے ہیں کہ: ابن ابی حاتم اور ابن عساکر نے حسن سے تخریج حدیث کی ہے، انھوں نے فرمایا کہ: آدم ہندوستان میں اترے، جدہ میں حوا نازل ہوئیں، بصرہ سے چند میل کے فاصلے پر دست بیسان میں ابلیس اترا اور سانپ اصبہان میں اترا (۳)، سیوطی نے اسی کتاب میں کہا ہے کہ: ابن سعد اور ابن عساکر نے عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے، انھوں نے فرمایا کہ: آدم ہندوستان میں اترے اور حوا جدہ میں تو آدم ان کی طلب میں نکلے حتی کہ پاس آئے تو حوا ان کے قریب ہوئیں اسی وجہ سے مزدلفہ کو مزدلفہ کہا جاتا ہے۔ (۴)

---

(۱) حجۃ الاسلام، ابو حامد محمد بن محمد غزالی، صاحب إحیاء علوم الدین، خراسان کے شہر طوس میں ۴۵۰ھ میں پیدا ہوئے اور وہیں ۵۰۵ھ میں وصال ہوا، غزالی: تشدید زاء کے ساتھ صناعت ''الغزال'' (کاتنے والا) کی طرف نسبت ہے اور تخفیف کے ساتھ ''غزالہ'' کی طرف، جو طوس کے مضافات میں ایک آبادی ہے۔ دیکھئے: طبقات الشافعیہ، تقی الدین دمشقی متوفی ۸۵۱ھ، بار اول؛ حیدرآباد: دائرۃ معارف عثمانیۃ، ۱۹۷۸ء، ۱: ۳۲۶؛ والأعلام، الزرکلي، بارنہم؛ بیروت: دار للعلم للملایین، ۱۹۹۰ء، ۶: ۲۲

(۲) دونوں مطبوعہ نسخوں (بمبئی و علی گڑھ) میں ''میسان'' ہے، لیکن الدر المنثور میں ''بیسان'' ہی ہے

(۳) الدر المنثور، ۱: ۵۶۔

(۴) الدر المنثور، ۱: ۵۵، عربی کے فعل ''ازدلف'' کا معنی ہے بڑھنا، پاس ہونا (تقدم وتقرب)۔

Scanned by CamScanner

سیوطی نے کہا کہ ابو شیخ نے ''العظمۃ'' میں خالد بن معدان سے حدیث بیان کی ہے، انھوں نے فرمایا کہ: آدم (علی نبینا و علیہ الصلاۃ والسلام) ہندوستان میں اتارے گئے، الحدیث۔ (۱) اور سیوطی نے کہا کہ عبدالرزاق، ابن جریر، ابن ابی حاتم، اور ابن منذر نے معمر کے ذریعے قتادہ سے روایت کیا ہے، انھوں نے فرمایا کہ: اللہ نے آدم کے ساتھ بیت (اللہ) کو بنایا، جب وہ زمین پر اترے، اور ان کی جائے نزول ہندوستان کی سرزمین تھی، الحدیث۔ سیوطی نے کہا کہ: ابن جریر، ابن ابی حاتم، اور حاکم نے تصحیح کے ساتھ عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے: انھوں نے فرمایا کہ: پہلا بیت وہ ہے جہاں آدم ہندوستان میں اتارے گئے، اور ہندوستان کے دجنی کا بھی لفظ آیا ہے۔ (۲) اور قاموس میں ہے کہ: ''دجنیٰ'' پیش اور زیر کے ساتھ اور کبھی مد کے ساتھ (یعنی دجناء) وہ زمین ہے جس سے آدم علیہ السلام کی تخلیق ہوئی۔ یا یہ حاء سے ہے۔ (۳)

اور ان (باقی ماندہ چند آثار) میں سے نقش قدم آدم علیہ السلام ہے، شیخ علی رومی اپنے ''محاضرہ'' میں کہتے ہیں کہ: پہلی جگہ جہاں آدم اتارے گئے وہ ہندوستان کے جزیروں میں سے ایک جزیرہ میں واقع پہاڑ ہے جسے ''راھون'' کہا جاتا ہے یہ سرندیپ کی مملکت میں وہ جگہ ہے جو ''دجنیٰ'' کہلاتی ہے اور اس (پہاڑ) پر آدم علیہ السلام کے قدم کا

---

(۱) الدر المنثور، ۱:۵۶۔

(۲) الدر المنثور، ۱:۵۵۔

(۳) القاموس المحیط، مجد الدین محمد بن یعقوب فیروزابادی متوفی ۸۱۷ھ، بار دوم؛ بیروت: مؤسسة الرسالة، ۱۹۸۷ء، ۱۵۴۲۔ بعید نہیں کہ لفظ ''دجنیٰ'' یا ''دجناء'' ہندی لفظ دکھن اور دکھنا سے معرب ہو کہ شری لنکا ہندوستان کے جنوب میں ہی واقع ہے۔ طبری نے اپنی تاریخ میں ''القول في الموضع الذي أهبط آدم وحواء إليه'' کے عنوان سے ایسی بہت سی روایتیں جمع کی ہیں، دیکھئے: بار چہارم؛ بیروت: مؤسسة الأعلمي للمطبوعات، ۱۹۸۳ء، ۱:۸۰-۸۴۔

Scanned by CamScanner

نشان ہے اور اس (نشانِ) قدم پر ایسا چمکدار نور ہے کہ وہ نگاہ کو خیرہ کر دیتا ہے اور کوئی اس کی طرف دیکھ نہیں پاتا ہے، چٹان پر قدم کی لمبائی ستر بالشت ہے اور پہاڑ پر برقِ خیرہ نظر جیسی روشنی ہوتی ہے، اور اس جگہ لازمی طور پر روز بارش ہوتی ہے جو قدم آدم کو دھلتی ہے۔ آدم نے اس پہاڑ سے ساحل سمندر تک ایک قدم میں پار کرلیا، جب کہ یہ دو دن کی مسافت ہے۔

میں کہتا ہوں کہ شیخ علی رومی کی روایت میں جس پہاڑ پر آدم علیہ السلام نازل ہوئے اس کا نام ''راہون'' ہے۔ بقیہ روایتوں میں ''بوذ'' ہے اور دونوں میں مطابقت اور ہم آہنگی پیدا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ ممکن ہے کہ اس پہاڑ کے دو نام ہوں یا زمانہ گزرنے سے نام بدل گیا ہو، یا ان میں سے ایک نام عام اور دوسرا خاص ہو۔

''انسان العیون'' کے مصنف نے لکھا ہے کہ: آدم کا جائے نزول ہندوستان کی زمین میں ایک بلند پہاڑ ہے جسے جہاز راں کئی دنوں کی مسافت سے دیکھتے ہیں، اس میں آدم علیہ السلام کے قدم کا نشان ہے جو پتھر میں دھنسا ہوا ہے، اور پہاڑ پر ہر رات بغیر بادل کے بجلی کی شکل میں چمک ہوتی ہے، اور وہاں ہر دن لازمی طور پر بارش ہوتی ہے جو قدم آدم علیہ السلام کو غسل دیتی ہے۔ اس پہاڑ کی چوٹی دنیا کے تمام پہاڑوں کی چوٹیوں کے مقابلے میں آسمان سے زیادہ قریب ہے۔ آدم علیہ السلام کے ساتھ جنت کے بعض اوراق (پتے) بھی اترے تھے، جسے انھوں نے وہاں پھیلا دیا تھا، یہی ہندوستان کی خوشبوؤں کی اصل ہے۔(۱)

صاحبِ ''مستطرف عن کل فن مستظرف'' کہتے ہیں کہ (۲): سرندیپ کا

(۱) انسان العیون فی سیرۃ الأمین المأمون (السیرۃ الحلبیۃ) علی بن برہان الدین حلبی، الطباعۃ العامرۃ ۱۲۹۲ھ، ۱: ۲۰۰۔

(۲) المستطرف فی کل فن مستظرف، شہاب الدین احمد ابشیہی، قاہرہ: دار الطبع الجمیل، ۱۲۹۲ھ، ۸۰

پہاڑ پہاڑوں میں سب سے عجیب وغریب ہے، اسکی لمبائی دوسوساٹھ میل سے چند میل زائد ہے، اس میں آدم علیہ السلام کے قدم کا نشان ہے، اس پہاڑ کے چاروں طرف یاقوت پھیلے ہوئے ہیں، اور اس میں ایسے ہیروں کی وادیاں ہیں جن سے پتھروں کو کاٹا جاتا ہےاور موتیوں میں سوراخ کیا جاتا ہے، اس میں عود، سیاہ مرچ، اور مشک وزباد (ایک قسم کی خوشبو) کے جانور پائے جاتے ہیں۔

میں کہتا ہوں کہ اس رسالے کی تصنیف کے دوران شہر فتوحات ارکاٹ میں ایک قابل اعتماد سیاح مجھ سے ملا، ارکاٹ (صوبہ) کرناٹک کے مشہور اور بڑے شہروں میں سے ہے اور دار الخلافت سرندیپ سے قریب ہے، اللہ اسے باران رحمت سے سیراب فرمائے، اور یہ سیاح فوراً سرندیپ سے آیا تھا اور اسے وہاں سے نکلے ہوئے صرف تین ماہ ہوئے تھے۔ اس نے مجھ سے بیان کیا کہ: میں نے آدم علیہ السلام کے قدم کی زیارت کی ہے، اور اس جگہ کے چاروں سرے پر گھوما ہوں، اور وہاں ایک زمانے سے مداری درویشوں کی ایک جماعت سکونت پذیر ہے جو قدم مقدس کی خدمت کرتی ہے، اور وہاں کے نذر ونیاز کو لیتی ہے، ان میں سے ایک انکا رہبر ہےاور وہ لوگ شیخ بدیع الدین قطب مدار، اللہ ان کے قبر کو منور کرے، سے نسبت رکھتے ہیں، جو ہندوستان کے مشہور اور بڑے اولیا میں سے ہیں۔ ان کی وفات ایک روایت کے مطابق اٹھارہ جمادی اولیٰ آٹھ سو اڑتیس میں ہوئی ہےاور ان کی آخری آرامگاہ موضع مکنپور میں ہے جو قنوج شہر سے ایک مرحلے کی دوری پر ہے۔ قنوج کا ذکر ''القاموس'' (فیروز آبادی کی مشہور لغت) میں ہوا ہے، سرندیپ کے حکمراں ہندو قوم سے ہیں جو قدم مبارک کی تعظیم کرتے ہیں اور اس کے [illegible] کی عزت وتکریم کرتے ہیں۔ سیوطی نے کہاہے کہ: ابن عساکر نے کعب الاحبار [illegible] سلیمان اشج سے روایت کی ہے کہ: ذوالقرنین ایک نیک اور سیاح شخص تھا، جب [illegible] اس پہاڑ پر پہنچا جس پر آدم علیہ السلام اترے تھے، اور ان کے نشان کی طرف دیکھا تو

Scanned by CamScanner

خوف زدہ ہوگیا تو خضر نے ، جوان کے بڑے علمبردار تھے ، کہا کہ: اے بادشاہ آپ کو کیا ہوا، بولا کہ: یہ آدمیوں کا نشان ہے میں دو ہتھیلیوں اور دو پیروں کی جگہ اور یہ زخم دیکھ رہا ہوں، اور ان خشک اشجار کو دیکھ رہا ہوں جو اس کے گرد کھڑے ہوئے ہیں اور جن سے سرخ پانی بہہ رہا ہے ان کا عجیب معاملہ ہے، تو خضر نے جنہیں مختلف علوم اور انکا فہم عطا کیا گیا تھا کہا کہ: اے بادشاہ! کیا آپ کھجور کے اس بڑے پیڑ سے معلق پتے کو نہیں دیکھ رہے ہیں؟ ذوالقرنین نے کہا کیوں نہیں، خضر نے کہا کہ: یہی آپ کو اس مقام کے احوال کی اطلاع دیگا۔ اور خضر ہر کتاب کے پڑھنے والے تھے، بولے کہ: اے بادشاہ! میں نے ایک کتاب دیکھا ہے جس میں تھا کہ: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم یہ تحریر ابوالبشر آدم کی جانب سے ہے، میں اپنے بچوں اور بچیوں کو وصیت کرتا ہوں کہ تم میرے اور اپنے دشمن ابلیس سے محتاط رہو، اسی نے اپنی نرم گوئی اور غلط آرزو کے ذریعے مجھے فردوس سے دنیا کی مٹی پر اتارا، مجھے اس مقام پر ڈالا گیا جو دوسو سال تک ایک خطا کے سبب متوجہ نہیں ہوا، حتی کہ مجھے زمین پر قرار حاصل ہوا۔ اور یہ میرا نشان ہے اور یہ درخت میرے آنکھوں کے آنسو ہیں کاش کہ اس مٹی پر توبہ کا بھی نزول ہو۔ لہٰذا تم لوگ نادم ہونے سے پہلے توبہ کرو، اور (نیکی کی طرف) سبقت کرو قبل اس کے کہ تمہاری طرف سبقت ہو، اور پیش قدمی کرو اس سے پہلے کہ تمہاری جانب پیش قدمی ہو۔ ذوالقرنین نے آدم کے بیٹھنے کی جگہ کی پیمائش کی تو وہ ایک سواسی میل تھی، پھر درختوں کا شمار کیا تو وہ نوسو تھے اور سب کے سب آدم کے آنسوؤں سے اُگے تھے، اور جب قابیل نے ہابیل کو قتل کیا تو یہ درخت خشک ہو گئے تھے اور سرخ خون کے آنسو رونے لگے تھے۔ ذوالقرنین نے خضر سے کہا کہ: مجھے واپس لے چلو اب میں کبھی دنیا نہ طلب کروں گا۔ (۱)

اور جان لو! کہ ایک روایت کے مطابق ہابیل کا قصہ اسی پہاڑ پر پیش آیا تھا

(۱) الدرالمنثور، ۴:۲۴۲، در تفسیر آیت ''یسئلونک عن ذی القرنین'' الکہف: ۸۴۔

غزالی نے ''بداء الخلق'' میں فرمایا ہے کہ: ہابیل کا قتل 'بوذ' پہاڑ پر ہوا تھا۔

عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے کہ: جب قابیل نے اپنے بھائی کو قتل کیا تو آدم مکہ میں تھے، چیزوں کے ذائقے بدل گئے، پھل کھٹے ہو گئے، پانی کھارا ہو گیا، اور زمین سے غبار اڑنے لگا، تو آدم نے فرمایا کہ زمین پر کوئی حادثہ رونما ہوا ہے، پھر وہ ہندوستان آئے تو پایا کہ ہابیل قتل ہو چکے ہیں، کہتے ہیں کہ ہابیل کی شہادت پر آدم سو سال تک غم گین رہے، ہنسے نہیں، اور ہابیل کے قتل کے بعد جب آدم ایک سو تیس سال کے ہوئے تو حوا نے شیث کو پیدا کیا، شیث کا معنی ہبۃ اللہ (۱) ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر پچاس صحیفے نازل فرمائے، شیث آدم کے وصی اور ان کے ولی عہد ہوئے۔ اور قابیل سے کہا گیا کہ نکل جاؤ آوارہ گرد کی طرح تو وہ اپنی بہن قلیما کو ساتھ لیکر بھاگ گیا، اور ملک یمن کے (شہر) عدن میں ٹھکانا بنایا۔

سیوطی نے کہا کہ ازرقی نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ: جب آدم زمین پر اتارے گئے تو بیت حرام کی جگہ اتارے گئے۔ اس وقت وہ کسی کشتی کی مانند لرز رہے تھے پھر حجر اسود کو نازل کیا گیا اور وہ اپنی سفیدی کی شدت سے چمک رہا تھا۔ اس سے مانوس ہونے کے سبب آدم نے اسے اٹھا کر سینے سے لگالیا، پھر عصا کو اتارا گیا اور کہا گیا کہ اے آدم چلو! تو انھوں نے قدم بڑھایا اور خود کو ہندوسند کی زمین پر پایا۔ اور جب تک اللہ کی مشیت نے چاہا انھوں نے ہندوستان میں قیام کیا۔ پھر وہ رکن (بیت اللہ) کے لئے بے قرار ہوئے تو انھیں حج کا حکم ملا، انھوں نے حج کیا، فرشتوں نے ان سے ملاقات کی اور بولے کہ اے آدم! اللہ آپکے حج کو مقبول فرمائے ہم لوگوں نے آپ سے دو ہزار سال پہلے اس گھر کا حج کیا ہے۔ (۲)

---

(۱) ...نی عطائے الٰہی۔

(۲) الدر المنثور، ۱:۵۶۔

میں کہتا ہوں کہ آدم علیہ السلام کے مقام بیت اللہ میں اترنے اور ہندوستان میں اترنے کی گزشتہ روایتوں کے درمیان یوں تطبیق دی جاسکتی ہے کہ جنت سے ان کا پہلا نزول ہندوستان میں ہوا اور دوسرا بیت الحرام کی جگہ ہوا، اللہ تعالیٰ کے فرمان " اھبطوا مصرا" کے مطابق، اوران کے کشتی کے مانند لرزنے کا مطلب ہے جیسے غیر مربوط کشتی لرزتی ہے۔ آدم علیہ السلام کی لرزیدگی کا سبب یہ تھا کہ وہ جانتے تھے کہ صرف اطاعت شعار ہی بیت حرام (حرمت والے گھر) سے قریب ہونے کے اہل ہیں اور وہ اپنے نفس کو گنہگار شمار کررہے تھے، علاوہ ازیں دار کرامت (جنت) سے نکلنے کے بعد یہ اپنے مولیٰ کی بارگاہ میں ان کی پہلی حاضری تھی، اس میں آدم علیہ السلام کے سِند میں وارد ہونے کا ذکر کو راوی نے شک کے ساتھ بیان کیا ہے۔

علاوہ ازیں حدیث سے یہ پتہ چلتا ہے کہ آدم علیہ السلام اس مرتبہ بیت اللہ تک آئے لیکن حج نہیں کیا۔ حج اس کے بعد کیا۔ لہٰذا ان کی پہلی آمد زیارت، دعا اور اللہ کی طرف سے ان کی توبہ کی قبولیت کے ساتھ ان پر کئے جانے والے انعام کے شکر کے طور پر تھی۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ ان کی یہ آمد موسم حج میں نہ ہوئی ہو۔ اس کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے جسے جندی نے فضائل مکہ میں ذکر کیا ہے، اور جسے طبرانی اور ابن عساکر نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے نقل کیا ہے، انھوں نے فرمایا کہ: جب اللہ نے آدم کی توبہ قبول کرنے کا ارادہ فرمایا تو انھیں (حج کی) اجازت دی تو انھوں نے سات بار بیت کا طواف کیا اور خانۂ خدا اس وقت ایک سرخ ٹیلہ تھا۔ جب آدم نے 'مقام' کے پاس نماز ادا کی تو خانۂ خدا کی طرف رخ کر کے عرض کیا کہ: اے میرے معبود تو میرے باطن و ظاہر سے آگاہ ہے میری معذرت قبول فرما، میری حاجت کو جاننے والا ہے اسے پورا [illegible] جو کچھ میرے دل میں ہے اس سے واقف ہے تو میرے خطاؤں کی مغفرت فرما، اے اللہ

میں ایسے ایمان کا سوال کرتا ہوں جو میرے دل میں سما جائے، اور ایسے سچے یقین کا طالب ہوں کہ میں جان لوں کہ جو تو نے لکھ دیا ہے صرف وہی دکھ مجھے ملا ہے، اور جو کچھ میری قسمت میں تو نے لکھا ہے اس سے راضی رہنے کا سوال کرتا ہوں۔ تو اللہ نے ان کی جانب وحی فرمائی کہ: بیشک میں نے تمہارے گناہوں کو معاف کیا، [اور تمہاری اولاد میں سے جو بھی تمہاری اس دعا کے مانند مجھ سے دعا کریگا] (۱) تو میں اس کے گناہوں کو بھی معاف کرونگا اور اس کے غم و آلام کو دور کرونگا اور اس کے فقر کو زائل کرونگا.........دنیا اس تک مجبور ہو کر آئیگی باوجودیکہ اس نے اس کی خواہش نہیں کی ہوگی۔ (۲)

اور اس کی تائید بریدہ سے مروی اس روایت کے ذریعے بھی ہوتی ہے جسے ازرقی نے تاریخ مکہ میں، طبرانی (۳) نے معجم الاوسط میں، بیہقی نے دعوات میں، اور ابن عساکر نے ایسی سند سے ذکر کیا ہے جس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب آدم زمین پر اترے تو انھوں نے خانۂ خدا کا ایک ہفتے طواف کیا، اور 'مقام' کے سامنے دو رکعت نماز پڑھی۔ پھر عرض کیا: اے اللہ! تو میرے پوشیدہ اور علانیہ سے واقف ہے لہٰذا میری معذرت قبول فرما۔ الحدیث۔ سیوطی نے ان دونوں حدیثوں کو اپنی

---

(۱) قوسین کی عبارت علی گڑھ کے نسخے میں نہیں ہے۔

(۲) الدر المنثور، ۱:۵۹۔ دعائے آدم علیہ السلام کی عربی عبارت مندرجہ ذیل ہے:

" اَللّٰهُمَّ اِنكَ تَعْلَمُ سَرِيرَتِى و عَلَانِيَتِى فَاقْبَلْ مَعْذِرَتِى، وتَعْلَمُ حَاجَتِى فَأْتِنِى سُوْلِى، و تَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِى فَاغْفِرْلِى ذُنُوبِى، اللهم اِنِّى اَسْئَلُكَ اِيمَاناً يُبَاشِرُ قَلْبِى، و يقيناً صادقاً حتى أعْلَمَ أنّه لا يُصِيبُنِى اِلا مَا كَتَبْتَ لِى، وَ الرِّضَا بِمَا قَسَمْتَ لِى "

(۳) ابوالقاسم سلیمان بن احمد بن ایوب لخمی طبرانی، شام کے شہر طبریہ میں ۲۶۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۳۶۰ھ میں وصال ہوا، حافظ حدیث تھے، حدیث شریف میں آپکی متعدد تصانیف ہیں، خاصکر آپکے تینوں معاجم: الکبیر، الأوسط اور الصغیر کو بڑی شہرت ملی۔ دیکھئے: الأعلام، ۳:۱۲۱۔

تفسیر میں ذکر کیا ہے اوران دونوں حدیثوں سے پتہ چلتا ہے کہ آدم علیہ السلام نے توبہ کے بعد خانۂ خدا کا طواف کیا۔ مقام کے پیچھے نماز پڑھی اور دعا کی، ان دونوں حدیثوں میں حج کا کوئی ذکرنہیں ہے۔

اورانہیں (آثار) میں سے آدم علیہ السلام کے توبہ کی قبولیت اور(اللہ کی جانب سے) کلمات کی حصولیابی ہے، اور یہ دونوں واقعے ہندوستان میں پیش آئے۔(جیسا کہ) آدم علیہ السلام کی وصیت میں گزرا، تو شاید توبہ اسی سرزمین پر اتری۔ طبری (۱) نے اپنی تاریخ میں کہا ہے کہ: جب تین سوسال گزرگئے تو آدم نے اپنے رب سے چند کلمات پائے اوراس نے انکی توبہ قبول کی۔ جبرئیل علیہ السلام بشارت لیکرآئے تو آدم ایک سال تک شکر اور مسرت کے طور پر روتے رہے۔ ان کے آنسوؤں سے اس پہاڑ پر خوشبودار درخت اگ آئے، اور آج بھی عطر ہندوستان سے پوری دنیا میں جاتا ہے۔(۲)

سیوطی نے کہا ہے کہ دیلمی نے ”مسند فردوس“ میں اپنی سند سے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ تعالیٰ کے اس قول: فتلقى آدم من ربه كلمات فتاب عليه (۳) (آدم نے اپنے رب سے کچھ کلمات پائے تو اس نے ان کی توبہ قبول کی) کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ: اللہ نے آدم کو ہندوستان میں اتارا اور حوا کو جدہ میں، ابلیس کو بیسان میں اور سانپ کو

---

(۱) محمد جریر طبری، مشہور محدث، مفسر، مؤرخ، فقیہ، صاحب تاریخ الامم والملوک معروف بہ تاریخ طبری، وجامع البیان في تفسیر القرآن معروف بہ تفسیر طبری، طبرستان میں ۲۲۴ھ میں پیدا ہوئے اور، ۳۱۰ھ میں وصال ہوا۔ دیکھئے: الأعلام،۶: ۶۹۔

(۲) تاریخ طبری میں الفاظ کے اختلاف کے ساتھ متعدد روایتیں موجود ہیں، دیکھئے: ۱: ۸۵۔ الدرالمنثور،۱: ۶۲۔

(۳) البقرۃ: ۳۷۔

اصبہان میں۔ اور (اس وقت) سانپ کے اونٹوں کی طرح پیر تھے۔ آدم سو سال تک ہندوستان میں رہے اور اپنی خطا پر روتے رہے، یہاں تک کہ اللہ نے جبریل کو مبعوث فرمایا اور کہا: اے آدم کیا میں نے تجھے اپنے ہاتھ سے نہیں بنایا؟ کیا میں نے تجھ میں اپنی روح نہیں ڈالی؟ کیا میں نے فرشتوں سے تجھے سجدہ نہیں کرایا؟ عرض کیا: کیوں نہیں: فرمایا: پھر یہ گریہ وزاری کیوں، عرض کیا: میں کیوں گریہ نہ کروں جب کہ میں رحمان کے پڑوس سے نکل گیا ہوں، فرمایا: ان کلموں کا ورد کرو، اللہ تمہاری توبہ کو قبول کرنے والا اور تمہارے گناہوں کو معاف کرنے والا ہے۔ کہو: اے اللہ! میں تجھ سے محمد اور آل محمد کے وسیلے سے سوال کرتا ہوں، پاکی ہے تیرے لئے تیرے سوا کوئی معبود نہیں ہے، میں نے برا کیا، اور اپنے نفس پر ظلم کیا لہٰذا میری توبہ قبول کر، بیشک تو توبہ قبول کرنے والا اور رحم والا ہے۔ (۱) یہی وہ کلمات ہیں جو آدم نے پائے تھے۔ سیوطی کے مطابق ثعلبی نے براہ عکرمہ ابن عباس سے روایت کی ہے کہ انھوں نے (آیت) آدم نے اپنے رب سے کلمات پائے، کے بارے میں فرمایا کہ (وہ کلمات تھے) "ربنا ظلمنا أنفسنا وإن لم تغفرلنا وترحمنا لنكون من الخاسرين "(۲) (اے رب ہم نے اپنے نفسوں پر ظلم کیا اگر تو نے ہماری مغفرت نہیں فرمائی اور ہم پر رحم نہیں فرمایا تو ہم گھاٹے والوں سے ہوں گے)۔ (۳)

اور انہیں (آثار) میں سے ہے کہ حرم مکی۔ اللہ اسے شرافت عطا فرمائے۔ کی جانب پہلا قصد (سفر) ہندوستان سے ہوا۔ اس لئے کہ اس کے پہلے زائر آدم علیہ السلام

(۱) عربی عبارت یہ ہے: " اللهم إنّى أسئلك بحقّ محمدٍ وّ آلِ محمدٍ، سُبُحانَكَ لااِله اِلا انت عَمِلْتُ سُوءاً وَّظَلَمْتُ نَفْسى، فَتُبْ عَلَىَّ، اِنَّكَ أنتَ التَّوّابُ الرَّحيم "

(۲) الأعراف: ۲۳۔

(۳) الدرالمنثور، ۱: ۵۹۔

تھے۔سیوطی کے بقول بیہقی نے عطا سے روایت کی ہے کہ آدم علیہ السلام زمین پر اترے تو عرض کیا کہ: اے رب کیا ہوا کہ میں فرشتوں کی آواز نہیں سن رہا ہوں جیسا کہ میں جنت میں سنا کرتا تھا۔فرمایا کہ: تمہاری لغزش کے سبب، اے آدم چلو میرے لئے ایک گھر بناؤ اور اس کا طواف کرو جیسے تم نے فرشتوں کو طواف کرتے دیکھا ہے،تو آدم چلے تا آنکہ مکہ پہنچے اور گھر بنایا۔آدم نے جہاں جہاں اپنے دونوں قدم رکھے وہاں گاؤں، دریا اور آبادیاں بنیں۔اور جو زمین ان کے قدموں کے درمیان میں آئی وہاں جنگلات اور ویرانے بنے۔آدم نے ہندوستان سے چالیس سال حج کیا۔(۱)

ابن جریر نے اپنی تاریخ میں ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ جب آدم ہندوستان میں تھے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی جانب وحی کی کہ: اس گھر کا حج کرو۔ الحدیث (۲) اصفہانی نے اپنی ''ترغیب'' میں اور ابن عساکر نے انس رضی اللہ عنہ سے طویل مرفوع حدیث روایت کی ہے جسے سیوطی نے اپنی تفسیر میں بھی ذکر کیا ہے اس کے مطابق آدم ہندوستان سے حج کے ارادے سے نکلے تو انھوں نے جس جس جگہ پڑاؤ ڈالا اور کھانا پینا کیا وہ تمام جگہیں ان کے بعد آبادیاں ہوئیں اور گاؤں بنے۔(۳) سیوطی نے کہا کہ ابن خزیمہ اور ابو شیخ نے 'العظمۃ' میں اور دیلمی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اور انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ: آدم اس گھر تک ایک ہزار بار آئے اور کسی بار بھی سوار ہو کر نہیں آئے ہر بار ہندوستان سے اپنے پیروں سے چل کر آئے اور ان میں سے تین سو حج کیئے اور سات سو عمرے کیئے۔اور جب آدم نے پہلا حج کیا تو عرفات میں وقوف کے دوران ان کے پاس جبریل آئے اور بولے: اے آدم آپ کا

(۱) الدر المنثور، ۱: ۶۵۔

(۲) الدر المنثور، ۱: ۵۶۔

(۳) الدر المنثور، ۱: ۶۴۔

حج مقبول ہو، ہم لوگوں نے آپ کی تخلیق سے پچاس ہزار سال پہلے اس کا طواف کیا ہے۔(۱)

میں کہتا ہوں کہ اس حدیث اور حدیث سابق جس میں پیدل چالیس حجوں کا ذکر ہے، میں تطبیق کا طریقہ یہ ہے کہ آدم علیہ السلام خاص حج کے ارادے سے ہندوستان سے چالیس بار ہی نکلے بقیہ میں وہ صرف خانۂ خدا کے ارادے سے نکلے اگر اتفاق سے حج کا موسم رہا تو حج کرلیا ورنہ عمرہ کیا اور اس طرح حج وعمرے کی مذکورہ تعداد ہوئی۔ سعید بن منصور کی روایت میں ہے کہ انھوں نے اس گھر کا حج بیل پر سوار ہو کر کیا، اس سلسلے میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ ہندوستان سے خانۂ خدا ان کی آمد ہزار بار پاپیادہ تھی اور سوار ہو کر آنے کی تعداد ہزار کے علاوہ ہے۔ واللہ سبحانہ اعلم

انھیں (آثار) میں سے آدم علیہ السلام کی حرم مکی، اللہ اس کے شرف وجلال میں اضافہ فرمائے، سے ہندوستان واپسی ہے اور ہندوستان کو بحیثیت وطن اختیار کرنا ہے طبری اپنی تاریخ میں کہتے ہیں کہ: جب آدم نے حج ادا کرلیا تو حوا کے ہمراہ ہندوستان کے اس پہاڑ کی طرف لوٹ گئے جس پر وہ آسمان سے اترے تھے، اس کے بعد چالیس سال تک حج کیا۔ اور ہر سال حج کے خاتمے پر ہندوستان لوٹے۔ وہ اپنی تاریخ میں یہ بھی کہتے ہیں کہ: پھر آدم نے ہندوستان میں اپنے لئے ایک گھر بنایا اور اللہ نے انہیں اس سرزمین کے ذریعے عزت عطا کی اور وہاں کے جانوروں، درندوں اور پرندوں کو انہیں عطا کیا، پانی برسایا اور سبزہ اگایا، اور حیوانات کو ان کے لئے مسخر کیا بعض کو کھانے کے لئے، بعض کو سواری کے لئے اور بعض کو باربرداری کے لئے۔

امام غزالی قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ: آدم علیہ السلام ہندوستان سے مکہ کے ...ے تو ہر اس مقام پر جہاں انھوں نے قدم رکھا آبادیاں قائم ہوئیں اور بقیہ جگہ

(۱) الدر المنثور، ۱:۶۲۔

ویرانے اور جنگلات بنے، اور جب وہ عرفات میں کھڑے ہوئے تو وہیں حوا کو پایا اسی لئے اس کو عرفات کہتے ہیں، اللہ نے ان دونوں کی توبہ قبول فرمائی اور وہ ہندوستان لوٹ آئے۔

میں کہتا ہوں کہ: اس سے ہندوستان کی زمین سے آدم علیہ السلام کی الفت کا پتہ چلتا ہے بایں طور کہ وہ ہندوستان لوٹے اور اسے اپنا وطن بنایا۔

اور انہیں (آثار) میں سے ہے کہ ایک روایت کے مطابق آدم علیہ السلام کو ''دجنا'' (یا دجنی) کی مٹی سے پیدا کیا گیا۔ ابن سعد نے طبقات میں، عبد بن حمید اور ابو بکر شافعی نے ''غیلانیات'' میں اور ابن عساکر نے سعد بن جبیر سے روایت کی ہے انھوں نے کہا کہ: اللہ نے آدم کی تخلیق جس زمین سے کی اسے دجنی کہا جاتا ہے۔ (۱)

اور انہیں (آثار) میں سے ایک روایت کے مطابق آدم علیہ السلام کی قبر بھی ہے جو اسی پہاڑ پر ہے جس پر وہ آسمان سے اترے تھے۔ امام غزالی کہتے ہیں کہ: کہا جاتا ہے کہ انہیں مکہ کے غار ابو قبیس میں دفن کیا گیا۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ انہیں ہندوستان کے بوذ (پہاڑ) پر دفن کیا گیا جہاں ان کا انتقال ہوا تھا۔ طبری نے اپنی تاریخ میں آدم علیہ السلام کے وفات کے بارے میں کہا ہے کہ: بعض نے کہا ہے کہ ان کی قبر ہندوستان کے اس پہاڑ پر ہے جس پر وہ اترے تھے اور بعض کے مطابق ان کی قبر مکہ میں ابو قبیس پہاڑ پر ہے اور حوا کی وفات ایک سال بعد ہوئی۔ شیث نے انہیں آدم کے پہلو میں دفن کیا (علیہم السلام)۔ (۲)

میں کہتا ہوں کہ: دجنی کی مٹی سے آدم کی تخلیق ہونا اور وہیں پر انکا دفن ہونا، اس

---

(۱) الدر المنثور، ۱: ۴۸، نیز ایک اور سند سے، ۱: ۵۵۔

(۲) الدر المنثور، ۱: ۵۶۔

Scanned by CamScanner

حدیث سے ہم آہنگ ہے جس کے مطابق ہر شخص کی مٹی ہی اس کا مدفن ہوتی ہے۔

انہیں (آثار) میں سے بیک روایت دجنا میں عہد (میثاق) کا لیا جانا ہے سیوطی نے کہا ہے کہ: ابن جریر اور ابن منذر نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، انھوں نے فرمایا کہ: آدم جب اترے تھے تو دجنا میں اترے تھے۔ اللہ نے ان کی پشت پر اپنا ہاتھ (دست قدرت) پھیرا تو قیامت تک پیدا ہونے والی ہر ذی روح (انسانی) باہر آ گئی۔ بعدازیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "ألست بربكم" (۱) کیا میں تم سب کا رب نہیں ہوں؟ سب نے عرض کیا: کیوں نہیں۔ اور اسی دن قیامت تک (پیدا) ہونے والوں کے سلسلے میں قلم خشک ہو گیا۔ (۲)

میں کہتا ہوں کہ روز میثاق آدم کی پشت سے نکلنے والی روحیں انبیا و مرسلین کی تھیں۔ جیسا کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی طویل مرفوع حدیث میں ہے سیوطی نے اپنی تفسیر میں ذکر کیا ہے کہ: آدم نے عرض کیا: اے رب یہ کون لوگ ہیں جو تمام انسان میں سب سے زیادہ نورانی ہیں فرمایا کہ: یہ تمہاری اولاد میں انبیا ہیں۔ (۳) اس سے ظاہر ہے کہ روز عہد سرزمین دجنا تمام انبیاء و مرسلین کی موجودگی سے مشرف ہوئی۔ اور یونہی آدم سے قیامت تک ہونیوالے سارے اولیاء کاملین کے وجود سے بھی شرف یاب ہوئی۔ ان تمامی پر اللہ کا درود و سلام ہو۔

اور انہیں (آثار) میں سے ہندوستان کے افق سے سب سے پہلے آفتاب بنوت کا طلوع ہونا ہے کیونکہ آدم علیہ السلام پہلے نبی ہیں۔

(۱) الأعراف، جزء آیت ،۱۷۲۔

(۲) الدر المنثور۔۱:۵۵؛ تاریخ طبری،۱:۹۲۔

(۳) تاریخ طبری،۱:۹۲؛ والدر المنثور۔۱:۵۶۔ تفسیر قرطبی مین ہے کہ حضرت ابو ہریرہ سے مروی اس حدیث کی تخریج امام حاکم نے کی ہے، اور کہا ہے کہ یہ امام مسلم کی شرط پر صحیح ہے ۔

Scanned by CamScanner

اور ان (آثار) میں سب سے بلند اور روشن تر منقبت وہ ہے جس کے حسن بیان کو اللہ نے مجھ پر الہام فرمایا اور کسی کا طائر فکر اس تک نہیں پہنچا، سیوطی نے ابن عمر عدنی سے اور انھوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ: قریش ایک نور کی صورت میں تخلیق آدم سے دو ہزار سال پہلے بارگاہ الٰہی میں تھے اور وہ نور تسبیح پڑھتا رہتا تھا، اور اس کے تسبیح پڑھنے سے ملائکہ بھی تسبیح پڑھتے تھے، اور جب اللہ نے آدم کی تخلیق کی تو اس نور کو ان کے صلب میں ڈال دیا۔ اللہ کے رسول ﷺ فرماتے ہیں کہ: اللہ نے مجھے صلب آدم میں زمین پر اتارا پھر نوح کے صلب میں کر دیا، وہاں سے ابراہیم کے صلب میں پہنچایا اور پھر مجھے اللہ تعالیٰ بزرگ صلبوں سے پاک رحموں میں منتقل کرتا رہا یہاں تک کہ میرے والدین سے میری پیدائش ہوئی۔ جن میں سے کوئی دو کبھی بھی زنا کے لئے جمع نہیں ہوئے۔ (۱) صاحب المواہب اللدنیہ، کہتے ہیں کہ: تخلیق آدم کی روایت میں ہے کہ اللہ نے اس نور کو ان کی پشت میں کر دیا جو ان کی پیشانی میں چمکتا تھا تو انکے بقیہ سارے نور پر بھاری پڑتا تھا۔ انتہی۔ (۲)

اس سے ثابت ہے کہ ہندوستان ہی نور محمدی کا مطلع اور اس فیض دائمی کا مبدا ہے اور (زمین) عرب اس کی غایت وانتہا اور اس کے وجود عنصری کے ظہور کی جگہ ہے ﷺ۔ اور ہندوستان کی فضیلت اور شرف کے لئے یہی کافی ہے، کعب ابن زبیر نے کیا خوب فرمایا ہے، اور ان کا فضل وکمال اللہ ہی کا (عطا کردہ) ہے:

إِنَّ الرَّسُولَ لَنُورٌ يُسْتَضَاءُ بِهِ　　مُهَنَّدٌ مِنْ سُيُوفِ اللّٰهِ مَسْلُولُ

(بیشک رسول ایسا نور ہیں جس سے روشنی حاصل کی جاتی ہے، اور وہ اللہ کی

---

(۱) خصائص کبری، جلال الدین سیوطی، طبعہ مصورہ، پوربندر: مرکز اہلسنت برکات رضا، غیر مؤرخ، ۱:۳۹؛ والشفا، قاضی ابوالفضل عیاض المتوفی ۵۴۴ھ، مصر: مکتبہ تجاریہ کبری، غیر مؤرخ، ۸۳۔

(۲) الأنوار المحمدیۃ (مختصر المواہب)، یوسف بن اسماعیل نبہانی، بیروت: مطبعہ ادبیہ، ۱۳۱۲ھ، ۱۳۔

Scanned by CamScanner

تلواروں میں سے ایک بے نیام ہندوستانی تلوار ہیں)۔جوہری (۱) کہتے ہیں کہ: مہندوہ تلوار ہے جو ہندوستانی لوہے سے ڈھالی گئی ہے(۲)۔

انھیں (آثار) میں سے روح القدس (جبریل علیہ السلام) کا سب سے پہلے ہندوستان میں آدم علیہ السلام کے پاس تشریف لانا ہے۔

انھیں (آثار) میں سے ہے کہ: اسی سرزمین سے پہلے پہل ملت حنفیہ کا آوازہ بلند ہوا۔اور مملکت محمدیہ کی نوبت بجی۔

انہیں میں سے جبریل علیہ السلام کا پہلے نبی کو آخری نبی کے ظہور کی بشارت دینا ہے۔سیوطی کی روایت کے مطابق یہ تینوں امور سب سے پہلے ہندوستان میں پیش آئے۔ انھوں نے کہا کہ: طبرانی نے، ابونُعیم نے حلیہ میں، اور ابن عساکر نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: آدم علیہ السلام ہندوستان میں اترے تو (تنہائی کے سبب) وحشت زدہ ہوگئے، تو جبریل اترے اور انھوں نے اذان دی۔ اللہ اکبر اللہ اکبر، اشہد ان لا الہ الا اللہ دوبار، اشہد ان محمد ارسول اللہ، دوبار، تو آدم نے ان سے پوچھا کہ یہ محمد کون ہیں؟ جبریل نے کہا: نبیوں میں سے تمہاری آخری اولاد ہیں۔(۳)

انہیں آثار میں سے پہلے پہلے حجر اسود کا ہندوستان میں اترنا ہے۔ازرقی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ: آدم جنت سے اترے تو حجر اسود کو اپنے ساتھ بغل میں دبائے ہوئے تھے۔وہ جنت کے یاقوت میں سے ایک یاقوت ہے اگر اللہ تعالیٰ نے اس کی چمک کو مٹا نہ دیا ہوتا تو کوئی اس کی طرف دیکھنے کی تاب نہ رکھتا۔ الحدیث (۴)

---

(۱) اسماعیل بن حماد، لغوی، ہوا میں پرواز کرنے کی کوشش میں ۳۹۳ھ میں انتقال ہوا، الأعلام، ۱:۳۱۳

(۲) الصحاح، تحقیق: احمد عبدالغفور عطار، مصر: دارالکتاب العربی، ۱۹۵۶ء، ۱:۵۵۴۔

(۳) خصائص کبریٰ، امام سیوطی، ۱:۸۔

(۴) الدر المنثور، ۱:۵۸۔

سیوطی نے کہا کہ: بیہقی (۱) نے ''دلائل النبوۃ'' میں سندی سے نقل کیا ہے کہ: آدم جنت سے نکلے تو ان کے ساتھ ایک ہاتھ میں حجر (اسود) تھا اور دوسری ہتھیلی میں پتہ تھا۔ انھوں نے پتے کو ہندوستان میں ڈال دیا تو اسی سے وہ تمام خوشبویات ہیں جنھیں تم دیکھتے ہو۔ اور وہ پتھر یاقوت کا تھا، سفید رنگ کا جس سے روشنی پھوٹتی تھی۔ جب ابراہیم (علیہ السلام) نے خانۂ خدا کی تعمیر کی اور (عمارت میں) حجر کی جگہ پر پہنچے تو اسماعیل سے کہا کہ ایک پتھر لاؤ جسے یہاں رکھ سکوں، تو وہ پہاڑ سے ایک پتھر لیکر آئے، ابراہیم نے کہا دوسرا لاؤ، ور اسماعیل (علیہ السلام) کو بار بار لوٹایا، اور ان کے لائے ہوئے کسی پتھر سے راضی نہیں ہو رہے تھے۔ ایک دفعہ جب اسماعیل پتھر لینے گئے تو (اسی درمیان) جبریل علیہ السلام ہندوستان سے وہ پتھر لیکر آئے جسے آدم جنت سے لیکر نکلے تھے تو ابراہیم نے اسے اس جگہ لگا دیا، جب اسماعیل لوٹے تو پوچھا کہ یہ پتھر کون لایا، فرمایا کہ: وہ جو تم سے زیادہ تیز و متحرک ہے (علیہم السلام)۔

میں کہتا ہوں کہ اس روایت کہ مطابق جبریل علیہ السلام پتھر کو ہندوستان سے لائے تھے، جب کہ عبداللہ ابن عباس سے ابن سعد کی روایت کے مطابق آدم علیہ السلام نے اس پتھر کو لاکر ابوقبیس پہاڑ پر رکھ دیا تھا۔ ان دونوں میں مطابقت کی راہ یہ ہے کہ پتھر بہرحال ہندوستان کا تھا بایں اعتبار کہ وہ آدم علیہ السلام کے ساتھ پہلے وہیں اترا تھا۔ مجھے حرم محترم اور خانۂ خدا کی زیارت کی سعادت حاصل ہوئی اس کے چاروں گوشے چار سمت

---

(۱) ابوبکر احمد بن حسین، نیشاپور کے قریب بیہق میں ۳۸۴ھ میں پیدا ہوئے، اور ۴۵۸ھ میں وصال ہوا، امام جوینی فرماتے ہیں ''کوئی شافعی ایسا نہیں جس پر امام شافعی کا فضل واحسان نہ ہو سوائے بیہقی کے جنکا مذہب شافعی کی نصرت وحمایت میں کثیر تصانیف کے سبب خود شافعی پر احسان ہے''. امام ذہبی کہتے ہیں: ''اگر بیہقی چاہتے تو اپنے علم کی بنیاد پر خود اپنا فقہی مذہب قائم کر سکتے تھے'' کم وبیش ایک ہزار کتابیں تصنیف فرمائیں۔ دیکھئے: طبقات الشافعیہ، ۱: ۲۲۶۔ ۲۲۸؛ والأعلام، ۱: ۱۱۶۔

کی طرف ہیں اور اس کی دیواریں چاروں سمت کی زاویوں کی طرف ہیں اور حجر اسود والا گوشہ مشرق کی سمت میں ہے اور وہی ہندوستان والوں کا قبلہ ہے اور ان کی عبادت کی جہت ہے اور یہ رکن (گوشہ) جنت کے یاقوتوں میں سے ایک یاقوت ہے، وہی سارے گوشوں سے افضل اور ایمان کی انگوٹھی کا نگینہ ہے، اللہ کا دست راست ہے اللہ کے بندے جس کے ذریعے اس سے مصافحہ کرتے ہیں۔ اور جس نے اسے چھوا اس نے اللہ و رسول سے بیعت کی۔ اس کی دو آنکھیں، زبان اور دو ہونٹ ہیں جس نے ایمان کے ساتھ اسے بوسہ دیا اس کے حق میں وہ گواہی دیگا وہ انسان کے عہد و پیمان کی امانت گاہ ہے۔(۱) اور اس کے شرف و منزلت کے لئے یہی کافی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دونوں ہاتھوں سے اٹھایا اور اسے اپنے دونوں لبوں سے بوسہ دیا ہے۔

انھیں (آثار) میں سے عصائے موسیٰ کا نزول ہے۔ عنقریب عبداللہ ابن عباس سے روایت کردہ ابن سعد کی حدیث آئے گی، اسی حدیث میں ہے کہ: ان کے ساتھ حجر اسود بھی اتارا گیا وہ برف سے زیادہ سفید تھا، اور عصائے موسیٰ بھی جو جنتی مہندی کے درخت کا تھا، جس کی لمبائی حضرت موسیٰ کے قد کے برابر دس ہاتھ کی تھی۔ طبری کہتے ہیں کہ: جب اللہ نے آدم کی توبہ قبول کی تو ان کے پاس حجر اسود کو جنت سے بھیجا اور جنتی پھلوں اور خوشبویات جیسے مہندی، سنگترہ اور بادرنگ (ایک خوشبودار مسالہ اور دوا) بھی اتارا، یہی سب ہندوستان سے آنے والی خوشبویات ہیں۔ آدم نے مہندی کو اسی پہاڑ پر لگا دیا تو وہ ایک (تناور) درخت بن گیا۔ عصائے موسیٰ اس کی ایک شاخ سے بنا تھا (۲)

میں کہتا ہوں کہ: دونوں روایتوں میں کوئی تضاد نہیں ہے۔ پہلی روایت (ابن سعد جس میں عصائے موسیٰ کو جنت کی مہندی سے بنا ہوا کہا گیا ہے) اس بات پر محمول

---

(۲) کنز العمال، علی متقی برہانپوری متوفی ۹۷۵ھ، بار دوم: حیدرآباد: دائرہ معارف عثمانیہ، ۱۹۶۵، ۱۸۶:۱۴

(۱) الدر المنثور، ۵۶:۱۔

کیا جائے گا کہ اس کی اصل تو (بہر کیف) جنت کی تھی۔ اور دوسری روایت میں ''اس کی شاخ'' میں موجود ضمیر کو مہندی کی جانب پھیرا جائے گا جسے آدم (جنت سے) لیکر نکلے تھے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ روایت میں موجود "فکان عصا موسی من أغصانه" میں 'فا' واؤ کے معنی میں ہے، (۱) جیسا کہ امرؤالقیس کے اس قول میں ہے:

"بسقط اللوى بين الدخول فحومل" اور اللہ زیادہ جانتا ہے۔

انہیں (آثار) میں سے تابوت کا نزول ہے، سیوطی کہتے ہیں کہ: ابن جریر اور ابن منذر نے ابن جریج کے ذریعے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے حدیث روایت کیا ہے، اس طویل حدیث میں ہے کہ: انبیاء جب کسی جنگ میں شریک ہوتے تو تابوت کو اپنے آگے رکھتے، اور کہتے تھے کہ آدم اس تابوت، حجر اسود اور عصائے موسیٰ کو لے کر جنت سے اترے تھے، اور مجھے معلوم ہوا ہے کہ تابوت اور عصائے موسی طریہ سمندر (ایک نسخہ کے مطابق طبریہ ہے اور یہ زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے) میں موجود ہیں، اور قیامت سے پہلے دونوں نکالے جائیں گے۔

اور انہیں میں سے سونے اور چاندی کا اترنا ہے اور یہ دونوں اللہ کی بزرگ ترین نشانیوں اور عظیم ترین نعمتوں میں سے ہیں، بایں طور کہ اللہ نے ان دونوں کو ہر چیز، ادنیٰ و اعلیٰ، کی قیمت مقرر کیا ہے۔ سیوطی نے کہا ہے کہ ابن عساکر نے جعفر بن محمد سے اور انھوں نے اپنے باپ سے اور انھوں نے دادا سے روایت کی ہے کہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ نے دنیا بنائی تو اس میں سونا اور چاندی بھی اتارا اور اسے زمین میں دھاروں کی طرح شامل کردیا تاکہ ان کے بعد ان کی اولاد کو نفع پہنچائے، اور اسے حوا کے لئے آدم کی جانب سے مہر بنایا، لہٰذا کسی کے لئے جائز نہیں ہے کہ بغیر مہر کے

---

(۱) یعنی جنت کے جس پیڑ سے یہ مہندی آئی تھی اس سے عصائے موسیٰ بھی بنا تھا۔

کرے۔(۱)

طبرانی نے ابو برزہ اُسلمی سے ایک طویل حدیث روایت کی ہے جسے سیوطی نے اپنی تفسیر میں نقل کیا ہے، اس میں ہے کہ: آدم نے اپنے بیٹے ہبۃ اللہ، جنہیں اہل تورات اورانجیل شیث کہتے ہیں، سے کہا کہ: اپنے رب کی عبادت کرواور اس سے پوچھو کہ وہ مجھے جنت میں بھیجے گا یانہیں؟ تو انہوں نے عبادت کی اور سوال کیا تو اللہ نے ان کی جانب وحی کیا کہ یقیناً میں انہیں جنت میں واپس بھیجوں گا۔ عرض کیا اے رب مجھ پر اعتماد نہیں جائے گا۔ میرا گمان ہے کہ میرے والد مجھ سے نشانی مانگیں گے، تو اللہ نے جنت کی حور کے کنگنوں میں سے ایک کنگن ان کی جانب بھیجا جب وہ آدم کے پاس آئے تو انھوں نے پوچھا کہ کیا خبر لائے، کہا کہ خوش خبری ہو اللہ تعالیٰ نے مجھے اطلاع دی ہے کہ وہ آپ کو جنت میں لوٹائے گا، پوچھا: کیا تم نے نشانی نہیں طلب کی تو شیث نے کنگن نکال کر انہیں دکھایا تو آدم نے اسے پہچان لیا، اور سجدے میں گر پڑے اور اتنا روئے کہ ان کی دونوں آنکھوں سے آنسوؤں کی ندی بہہ گئی۔ جس کے نشانات ہندوستان میں دیکھے جاسکتے ہیں۔ اور کہا گیا ہے کہ ہندوستان کا بیشتر سونا اسی کنگن سے اگتا ہے۔(۲)

سیوطی نے کہا کہ ابن ابی شیبہ نے مصنّف میں کعب سے روایت کیا ہے کہ: سب سے پہلے جس نے دینار و درہم کو ڈھالا وہ آدم علیہ السلام تھے۔(۳)

محققین نے کہا ہے کہ اولیت کے لئے مختلف اسباب اور متفرق تعبیرات ہیں مواطن کے اعتبار سے اور نسبتوں کے اعتبار سے کبھی ایک ہی چیز کی کئی نسبتیں اور متعدد اعتبارات ہوتے ہیں تو وہ چیز ایک جہت سے اول ہوتی ہے اور دوسری وجہ سے آخر ہوتی

(۱) الدرالمنثور، ۱:۵۶۔

(۲) الدرالمنثور، ۱:۶۲۔

(۳) الدرالمنثور، ۱:۶۱۔

Scanned by CamScanner

جسے خط
ہے اور کبھی ایک ہی چیز کو شروع کرنے والے کئی ہوتے ہیں (مختلف اعتبار سے) اور دینار و درہم
اور سلائی کے کام میں اولیت کی نسبت ادریس علیہ السلام سے کی جاتی ہے جب کہ ابوالبشر
کو ڈھالنے میں اولیت کی نسبت بادشاہ فریدون کی جانب کی جاتی ہے اس لئے کہ انھوں نے جن پیشوں کو علم
آدم علیہ السلام کو ان دونوں پر اولیت حاصل ہے، اس لئے کہ انھوں نے جن پیشوں کو علم
ازلی سے پایا تھا وہ ان کی اولاد میں سے ایک کے بعد ایک شخص کے ذریعے صدیوں میں
ظاہر ہوئے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ حکمت والا اور چیزوں کا علم رکھنے والا ہے وہ مصلحتوں
کے مطابق ان چیزوں کا اظہار اور ان کی ایجاد کرتا ہے اور ان اشیاء کے حقائق کے تقاضوں
کے مطابق مادی اشخاص میں قوت قبولیت کے اعتبار سے انہیں ظاہر کرتا ہے۔

انہیں میں سے شیث علیہ السلام کا ہندوستان سے ہونا ہے اور یہ اس سابق الذکر
حدیث سے ماخوذ ہے جسے طبرانی نے ابوبرزہ اسلمی سے نقل کیا ہے۔ اور امام غزالی نے
(اس سلسلے میں) جو کچھ ذکر کیا ہے اس میں ہے کہ ابن عباس نے کہا ہے کہ: جب آدم کا
انتقال ہوا تو جبریل نے شیث سے کہا کہ کھڑے ہو اور آگے بڑھو اور اپنے والد کی نماز
جنازہ پڑھو تو انھوں نے تکبیر کہی۔ اور یہ بات امام (غزالی) کے حوالے سے گزر چکی ہے
کہ آدم کی وفات ہندوستان میں ہوئی تھی۔

اور انھیں (آثار) میں سے نوح علیہ السلام کا ہندوستان میں ہونا ہے۔ یہ ابن
عباس سے روایت کردہ آنے والی حدیث سے ماخوذ ہے جس کے مطابق نوح نے بوذ
پہاڑ سے کشتی چلائی۔

انہیں میں سے آدم علیہ السلام کی برکت سے جواہرات کے کانوں کا وجود۔ (...)
(کتاب) مستطرف سے منقول عبارت گزر چکی ہے کہ: اس (پہاڑ بوذ) کے تمام
طرف یاقوت ہے اور اس میں ان ہیروں کی وادیاں ہیں جن سے پتھروں کو کاٹا جاتا ہے

اور موتیوں میں سوراخ کیا جاتا ہے۔ صاحب مستطرف نے مزید کہا ہے کہ کسی نے ہندوستان کا وصف بیان کرتے ہوئے کہا ہے کہ: اس کا سمندر موتی ہے، اس کے پہاڑ یاقوت ہیں، اس کے درخت عود، اور پتے عطر ہیں۔

میں کہتا ہوں کہ سرندیپ (شری لنکا) سے قریب ہندوستان میں کرناٹک کا علاقہ ہے جس میں کشنا (کرشنا) نام کا ایک بڑا دریا ہے جسے ہم نے کئی بار عبور کیا ہے۔۔اس کا تمام ساحل ہیرے کی کانوں سے بھرا ہے جس کھود کر لوگ ہمیشہ ہیرے نکالتے رہتے ہیں۔

انہیں میں سے صنعتی آلات کا نزول ہے۔ سیوطی نے کہا ہے کہ: ازرقی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے حدیث کی تخریج کی ہے، انھوں نے کہا: آدم علیہ السلام اپنے ہمراہ حجر اسود کو بغل میں لئے ہوئے جنت سے اترے اور وہ جنت کے یاقوت میں سے ایک ہے، اگر اللہ نے اس کی چمک کو مٹا نہ دیا ہوتا تو کوئی اس کی طرف دیکھ نہیں سکتا تھا، وہ ''باسنۃ'' اور عجوہ (کھجور) بھی ساتھ لیکر اترے۔ ابو محمد خزاعی نے کہا کہ باسنہ صنعتی اوزار کو کہتے ہیں، صاحب النہایہ'' کہتے ہیں کہ: باسنہ کے بارے میں کہا گیا ہے کہ یہ صنعتی اوزار ہیں، اور ایک قول کے مطابق ہل کو کہتے ہیں اور یہ (لفظ) خالص عربی نہیں ہے۔

سیوطی نے کہا کہ: بزّار، ابن ابی حاتم اور طبرانی نے ابوموسیٰ اشعری سے روایت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب اللہ نے آدم کو جنت سے نکالا تو جنت کے پھلوں کو ان کے ساتھ کر دیا اور ہر طرح کی صنعت انہیں سکھا دی، الحدیث (۱) شیخ علی رومی نے اپنے محاضرے میں کہا ہے کہ: اللہ تعالیٰ نے جب آدم کو ان تمامی زبانوں میں اسما کا علم سکھایا جن میں قیامت تک ان کی اولاد گفتگو کرنے والی تھی، تو اس وقت انھیں ایک ... تیں بھی سکھائیں، چنانچہ ہر پیشہ و صنعت جو اولاد آدم کی مصلحتوں، اور ان کے معا ... و معاملات کے نظم و تدبیر سے متعلق ہے سب کے سب اللہ کے بنائے ہوئے ہیں

---

(۱) الدر المنثور، ۱:۵۶۔

اور معلم اول آدم علیہ السلام سے چلے آرہے ہیں۔اور ان پیشوں کو ان کی اولاد نے عہد بہ عہد اور نسل در نسل ان کی وراثت میں پایا ہے، یہ بات اصولی پیشوں کی ہے البتہ فروعی پیشے اور صنعتیں تو یہ حسب قابلیت وضرورت قیامت تک پیدا ہوتی رہیں گی اس بات کو امام نے اصول فقہ میں ذکر کیا ہے۔

انہیں (آثار) میں سے فولادی اوزار کا اترنا ہے جیسے ہاون ودستہ اور اسے فارسی میں ''چکُش'' کہتے ہیں اور زنبور (یا چمٹی) جسے فارسی میں ''انبُر'' کہتے ہیں۔

جان لو! کہ آہن گری اللہ کی عظیم نعمت، اور اپنے بندوں پر اس کا بڑا احسان ہے، ہاں، دنیا میں کوئی ایسا پیشہ نہیں ہے جو اس پیشے کا حاجت مند نہ ہو، اور اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اس پیشے کے اوزار کو آسمان سے اتارا اور قرآن کریم میں اسے عظیم الشان نعمتوں میں شمار کیا ہے بایں طور کی سب سے عزت والے قائل کا فرمان ہے کہ ''ہم نے لوہے کو اتارا جس میں بڑی قوت ہے اور لوگوں کے لئے بہت سے فائدے ہیں۔'' (۱) اس آیت کریمہ کا مفہوم ومصداق (یعنی فولاد) سب سے پہلے ہندوستان میں پایا گیا۔

سیوطی نے کہا کہ ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے، انھوں نے کہا کہ: تین چیزیں آدم کے ساتھ اتریں: ہاون، زنبور اور ہتھوڑا، اور ابن عدی وابن عساکر نے سلمان سے ایک ضعیف سند سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: آدم ہندوستان میں اترے اور ان کے ساتھ ہاون، زنبور اور ہتھوڑا بھی تھا، اور حوا جدہ میں اتریں۔سیوطی نے کہا کہ: ابن سعد نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے انھوں نے کہا کہ: آدم ظہر اور عصر کی دو نماز کے درمیان جنت سے نکلے اور زمین پر اترے، جنت میں ان کا قیام آخرت کے دنوں کے حساب سے نصف دن کا تھا جو پانچ سو سال کے برابر ہوا، بارہ گھنٹے کے دن کے لحاظ سے، کیونکہ (آخرت کا ایک

(۱) الحدید: ۵۷۔

دن) اہل دنیا کے شمار کے مطابق ایک ہزار سال کا ہے۔ آدم ہندوستان کے ایک پہاڑ پر اترے جسے 'بوذ' کہا جاتا ہے، اور حوا جدہ میں اتریں۔ آدم جب اترے تو ان کے ساتھ جنت کی مہک تھی جو وہاں کی وادیوں اور پیڑوں سے مس ہوئی، اور وہاں کی ہر چیز خوشبوؤں سے بھر گئی۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان کے ساتھ جنت کی خوشبویات بھی تھی، ان کے ساتھ حجر اسود بھی اتارا گیا تھا جو برف سے زیادہ سفید تھا، اور عصائے موسیٰ تھا جو جنت کی مہندی کا تھا جس کی لمبائی (حضرت) موسیٰ کے برابر دس ہاتھ کی تھی۔ اور ان کے ساتھ تُرشی (یا ایک ترش دوا) اور لوبان بھی تھا، بعد ازیں آدم پر ہاون، ہتھوڑا اور زنبور اتار گیا۔ جب آدم پہاڑ پر اترے تو ان کی نظر لوہے کی ایک چھڑ پر پڑی جو پہاڑ پر گڑی ہوئی تھی، تو کہا یہ اس سے ہے۔ اور پرانے اور خشک درختوں کو ہتھوڑے سے توڑنے لگے پھر ان ڈالوں کو جلا کر اس چھڑ کو پگھلایا اور پہلی چیز جو اس سے ڈھالی چھری تھی، آدم اسے استعمال کرتے رہے، پھر تنور کو ڈھالا یہ وہی تنور تھا جو نوح کو میراث میں ملا تھا اور جو ہندوستان میں ہی عذاب کے ساتھ ابل پڑا تھا۔ جب آدم علیہ السلام نے حج کیا تو حجر اسود کو ابوقبیس پہاڑ پر رکھ دیا، اور انھوں نے ہندوستان سے مکہ پیدل چل کر چالیس حج کیئے۔ جب آدم اتارے گئے تھے تو ان کا سر آسمان چھوتا تھا جس کے سبب وہ گنجے ہو گئے تھے، چنانچہ ان کی اولاد کو گنجاپن وراثت میں ملا ہے۔ زمین کے جانوران کی لمبائی سے بھڑکتے تھے اور یہ تبھی سے وحشی ہو گئے۔ آدم (علیہ السلام) اس پہاڑ پر کھڑے ہوتے تھے تو فرشتوں کی آواز سنتے تھے، اور جنت کی خوشبو پاتے تھے، پھر انکا قد گھٹ کر ساٹھ گز رہ گیا، اور اسی لمبائی پر ان کی وفات ہوئی۔ آدم کا حُسن، یوسف علیہ السلام کے علاوہ ان کی [illegible] اولاد کو نہیں ملا، آدم کہنے لگے اے میرے رب میں آپ کے گھر میں آپ کا پڑوسی [illegible]پ کے سوا میرا کوئی رب ہے نہ آپ کے سوا میرا کوئی نگراں ہے، جنت میں فراخی [illegible]کے ساتھ کھاتا تھا اور جہاں چاہتا تھا رہتا تھا، پھر آپ نے مجھے اس محترم پہاڑ پر اتار دیا

Scanned by CamScanner

پھر بھی فرشتوں کی آوازیں سنتا تھا اور انہیں دیکھتا تھا کہ کیسے وہ آپ کے عرش کو گھیرے ہوئے ہیں، جنت کی ہوا اور خوشبو پاتا تھا۔ پھر آپ نے مجھے زمین پر اتار دیا، اور مجھے ساٹھ گز کا کر دیا تو وہ آواز، وہ منظر اور جنت کی ہوا سب منقطع ہو گئے، تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے جواب دیا کہ: میں نے یہ سب تمہارے ساتھ تمہاری لغزش کے سبب کیا ہے۔ جب اللہ نے آدم وحوا کی عریانیت دیکھی تو انہیں حکم دیا کہ ایک بھیڑ ذبح کریں۔ آدم نے ایک بھیڑ ذبح کی اور اس کا اون حاصل کیا، حوا نے اس کا سوت بنایا اور آدم نے اسے بُنا، اس سے آدم نے اپنے لئے ایک جُبہ اور حوا کے لئے ایک لباس اور اوڑھنی تیار کیا وہ دونوں 'جمع' میں اکٹھا ہوئے تھے اسی اس کا یہ نام پڑا۔ اور عرفہ میں ایک دوسرے متعارف ہوئے اسی لئے اس کا نام عرفہ ہوا۔(۱) وہ دونوں جو کچھ ان سے چھنا تھا اس پر دوسو برس تک روتے رہے، اور چالیس دن تک نہ کچھ کھایا نہ پیا۔ پھر کھایا اس وقت دونوں اس بوذ پہاڑ پر تھے جس پر آدم اتارے گئے تھے اور آدم سو سال تک حوا سے قریب نہیں ہوئے۔(۲)

اور انہیں (آثار) میں سے خوشبویات کا نزول ہے، اور یہ ابن سعد کی حدیث میں گزر چکا ہے۔ (علماء نے) یہ بھی کہا ہے کہ ان کے ساتھ جنت کی خوشبویات بھی اتریں۔ سیوطی نے کہا ہے کہ: ابن جریر، حاکم، اور ابن عساکر نے ابن عباس سے روایت کی ہے، حاکم نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ انھوں نے کہا کہ علی ابن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ: ہندوستان کی زمین کی ہوا سب سے اچھی ہے آدم وہیں اترے تھے تو جنت کی خوشبو اس کے درختوں میں بس گئی ہے۔(۳) سیوطی نے کہا کہ سعد بن منصور نے عطا بن ابی رباح سے روایت کی ہے انھوں نے کہا کہ: آدم ہندوستان کی زمین پر اترے

---

(۱) تاریخ طبری، ۱: ۸۲، ۸۳۔

(۲) الدر المنثور، ۱: ۵۷، ۵۸؛ وتاریخ طبری، ۱: ۸۹۔

(۲) الدر المنثور، ۱: ۵۵؛ وتاریخ طبری، ۸۱۔

Scanned by CamScanner

اوران کے ساتھ جنت کی چار خوشبویات (یالکڑیاں) تھیں، اور یہ وہی ہیں جنھیں لوگ خوشبو کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ اورانھوں نے خانہ خدا کا حج بیل پر سوار ہو کر کیا: اور سیوطی کے مطابق ابن ابی حاتم نے سدی سے روایت بیان کی ہے انھوں نے کہا کہ: آدم ہندوستان میں اترے اوران کے ساتھ حجراسوداورانکی مٹھی میں جنت کے (کچھ) پتے بھی تھے تو انھوں نے ان کو ہندوستان میں پھیلا دیا جن سے خوشبوؤں والے درخت اُگے۔ (۱)

مسعودی (۲) نے مروج الذھب میں کہا ہے: کہ اللہ تعالیٰ نے آدم کو سرندیپ میں، حوا کو جدہ میں، ابلیس کو بیسان میں اور سانپ کو اصبہان میں اتارا۔ وہ ہندوستان میں سرندیپ جزیرے میں اترے، اوران کے جسم پر جنت کے پتوں میں سے وہ پتہ تھا جس سے انھوں نے ستر پوشی کی تھی، پھر وہ خشک ہو گیا اور ہواؤں نے اسے ہندوستان بھر میں پھیلا دیا، لہٰذا کہا جاتا ہے، اوراللہ بہتر جانتا ہے، کہ سرزمین ہند میں خوشبوؤں کے ہونے کا سبب وہی پتہ ہے۔ اس کے علاوہ بھی اقوال ہیں اسی لئے ہندوستان کی زمین عود، لونگ، مسالوں، مشک اور مختلف خوشبوؤں کے لئے مخصوص ہے اوراسی طرح اس کے پہاڑ پر یاقوت چمکتے ہیں اور وہاں ہیرے ہوتے ہیں، اس کے سمندر کے جزیروں میں رانگا، اور اس کی گہرائیوں میں موتیوں کی آماجگاہ (مغائص اللولو Pearl Fishery) ہیں۔ (۳)

صاحب مستطرف نے کہا ہے کہ: اس میں عود، سیاہ مرچ، آہوئے مشک اور حیوان زباد ہوتے ہیں (زباد: ایک طرح کی خوشبو جو کسی جانور سے حاصل ہوتی ہے)(۴)

امام غزالی نے، بداء الخلق' میں کہا ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ: آدم

---

(۱) الدرالمنثور، ۱: ۵۷۔

(۲) [illegible] بن حسین مسعودی بغدادی، مشہور مؤرخ، حضرت عبداللہ بن مسعود کی اولاد میں سے تھے، مصر [illegible] ھ میں وفات ہوئی۔ دیکھئے: الأعلام، ۴: ۲۷۷۔

(۳) مروج الذھب، قاہرہ: مطبعہ بہیہ مصریہ، ۱۳۴۶ھ، ۱: ۱۹۔

(۴) یہ روایت صفحہ ۷ پر گزر چکی ہے۔

Scanned by CamScanner

جنت سے ایک پتہ کے ساتھ نکلے جس نے ان کے پوشیدہ مقام کو چھپا رکھا تھا وہ ہندوستان کی زمین میں اڑ گیا تو اسی پتے سے عود، صندل، مشک، عنبر اور کافور پیداء ہوئے لوگوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! مشک تو جانور سے پیدا ہوتا ہے، فرمایا کہ اس جانور نے اس (کے) درخت سے کھایا تھا۔ جب ربیع کا موسم آتا ہے وہ اس سے ٹوٹ کر گرتا ہے تو لوگ اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ اسی طرح عنبر بھی ہندوستان میں اُس جانور سے پیدا ہوتا ہے جس نے اس درخت سے چرا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے جبریل کو بھیجا انھوں نے اس کو سمندر میں پھینک دیا، پوچھا گیا کہ اے اللہ کے رسول مشک کہاں پایا جاتا ہے، فرمایا کہ مجھے جبریل نے بتایا ہے کہ زمین کے تین گوشے ایسے ہیں کہ زمین میں جو چیز کہیں نہیں ہے وہاں ہے ہندوستان، پست زمین (ارض السفل) اور تبت۔

شرف الدین بن یونس نے مختصر احیاء العلوم میں جو احیاء العلوم کے باب اخلاص پر ان کے اضافے ہیں، کہا ہے کہ: جب آدم علیہ السلام ہندوستان کی زمین پر اترے تو جنگل کے جانور انھیں سلام کرنے اور ان کی زیارت کرنے آئے۔ وہ جانوروں کی ہر نوع کے لئے مناسب دعا کرتے تھے۔ ان کے پاس ہرنوں کا ایک گروہ آیا تو انکے لئے دعا فرمائی، اور اس کے پشت پر اپنا ہاتھ پھیرا تو ان کے اندر مشک کے نافے (تھیلیاں) پیدا ہو گئے۔ جب دوسرے جانوروں نے اسے دیکھا تو پوچھا کہ یہ کہاں سے ملا تو ہرن بولے کہ ہم نے آدم صفی اللہ کی زیارت کی تو انھوں نے ہمارے لئے دعا کی اور ہماری پشتوں پر ہاتھ پھیرا تو باقی جانور بھی ان کے پاس گئے انھوں نے ان کے لئے دعا کی اور ان کی پشتوں پر ہاتھ پھیرا لیکن ان کے اندر کوئی چیز ظاہر نہیں ہوئی تو انھوں نے ہرنوں سے کہا کہ ہم نے بھی وہی کیا جو تم نے کیا لیکن ہمیں کوئی ایسی چیز دکھائی نہ دی جو تمہیں حاصل ہوئی تو ہرن بولے کہ تمہارا عمل اس لئے تھا کہ وہ چیز حاصل کرو جو تمہارے بھائیوں کو ملی ہے جب کہ ان کا

Scanned by CamScanner

عمل بغیر کسی ملاوٹ کے اللہ کے لئے تھا۔ اور وہ چیز قیامت تک کے لئے ان ہرنوں کی نسل میں باقی رہی۔

صاحب مستطرف نے کہا: ہندوستان کا بیان کرتے ہوئے کسی نے کہا ہے کہ: اس کا سمندر موتی، اس کے پہاڑ یاقوت اس کے درخت عود اور اس کے پتے عطر ہیں۔

عبداللہ بن سلیمان نے کہا کہ: اس کی مٹی زعفران ہے اس کا آسمان پھل ہے اور اس کی دیواریں شہد ہیں۔

زمخشری (۱) نے کہا ہے کہ: عنبر سرندیپ کے سمندر کے جھاگ سے نکلتا ہے۔ اور شیخ علی رومی نے اپنے 'محاضرہ' میں لکھا ہے کہ: لطیف ادویہ جیسے عود اور ادرک وغیرہ سب سے پہلے ہندوستان میں ظاہر ہوئیں۔ جب آدم جنت سے نکلنے پر دو سو سال تک روتے رہے تو اللہ تعالی نے ان کے آنسوؤں سے ان چیزوں کو بنایا۔ اور بعض تاریخوں میں ہے کہ آدم کے بدن پر جنت کے پتے سے بنی ایک قمیض تھی جب وہ دنیا میں اترے تو روئے تو وہ پتہ دنیا کی ہوا اور سورج کی گرمی سے خشک ہوگیا، ہندوستان اور اس کے قرب و جوار میں اسی پتے کے آثار پھیلے ہیں۔ اور اسی (کے اثر) سے اور جگہوں کی قسمت اور آب و ہوا کے حساب سے ایک کے بعد ایک دوائیں ہوئیں۔

اور انہیں (آثار) میں سے پھلوں کا اترنا ہے۔ سیوطی نے کہا کہ ابن ابی الدنیا نے مکائد الشیطان میں، اور ابن منذر و ابن عساکر نے جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، انھوں نے فرمایا: جب آدم زمین پر اترے تو ہندوستان میں اترے، اور ان کا سر آسمان چھو رہا تھا تو زمین نے اپنے رب سے آدم کی گرانباری کی شکایت کی تو

---

(۱) ابوالقاسم، جار اللہ، محمود بن عمر، صاحب تفسیر کشاف و اساس البلاغہ، خوارزم کے قریب زمخشر میں پیدا ہوئے، طویل مدت تک مکہ میں اقامت کے سبب جار اللہ کہلائے، معتزلی العقیدہ تھے اور تصوف کے سخت مخالف تھے، ۵۳۸ھ میں جرجان میں انتقال ہوا۔ دیکھئے: الأعلام، ۷: ۱۱۸۔

اللہ نے اپنے دست (قدرت) کو ان کے سر پر رکھا تو وہ گھٹ کر ستر گز کے ہو گئے۔ ان کے ہمراہ عجوہ (کھجور)، چکوترہ اور کیلا بھی اترے۔ الحدیث (۱)

میں کہتا ہوں کہ غالباً آدم علیہ السلام اور عجوہ کے ساتھ اترنے کا راز یہ ہے کہ کھجور اس مٹی سے بنی ہے جو آدم کی تخلیق سے بچی تھی جیسا کہ حدیث میں آیا ہے، اسی لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''اپنی پھوپھی کھجور کا احترام کرو'' (۲) اور کھجور اس بات میں انسان کے شریک ہے کہ اگر اس کا سر کاٹ دیا جائے تو خشک ہو جاتی ہے لہٰذا عنایت الٰہی نے چاہا کہ ان دونوں کو الگ نہ کیا جائے اور اس پاک طینت پیڑ سے آدم اور ان کی اولاد آغاز دنیا سے روز آخرت تک نفع اندوز ہوں۔ گزر چکا ہے کہ ایک روایت کے مطابق آدم علیہ السلام کی مٹی دجنا کی تھی۔ اس طور پر کھجور کی مٹی بھی دجنا کی ہو گی بنا بریں ان دونوں کا دجنا میں اترنا گویا کسی چیز کا اپنی اصل اور مسافر کا اپنے وطن کی طرف واپس ہونا ہے۔

ملا علی قاری نے اپنی ''مشکاۃ'' کی شرح کے باب 'بداء الخلق' میں کہا ہے کہ: ابن عساکر نے ابوسعید سے مرفوع حدیث روایت کی ہے کہ: کھجور، انار اور انگور آدم کی تخلیق سے بچی ہوئی مٹی سے بنائے گئے۔ (۳) شیخ محی الدین ابن عربی، اللہ ان کی روح کو خوش رکھے، نے 'فتوحات مکیہ' میں آدم کی تخلیق سے بچی ہوئی مٹی کے بارے میں ایک طویل باب باندھا ہے جس کی شروعات یوں ہوتی ہے: آٹھواں باب، اس زمین کی معرفت کے بارے میں جو آدم کی بقیہ مٹی سے بنائی گئی، یہ حقیقت کی زمین ہے۔ اور اس کے بعض

---

(۱) الدر المنثور، ۱: ۵۸۔

(۲) کنز العمال، علی متقی، ۱۳: ۲۹۱، اور اس میں ہے ''أکرموا عمتکم النخلۃ فانہا خلقت من فضلۃ طینۃ آدم''

(۳) مرقاۃ المفاتیح، ۵: ۳۲۸ بحوالہ سبحۃ المرجان، تحقیق: ڈاکٹر فضل الرحمان، بار اول؛ علی گڑھ: انسٹیٹیوٹ علوم سلامیہ ۱۹۷۶ء، علی بن (سلطان) محمد، حنفی فقیہ، ہرات میں پیدا ہوئے اور ۱۰۱۴ھ میں مکہ معظمہ وصال ہوا۔ دیکھئے: الأعلام، ۵: ۱۲۔

Scanned by CamScanner

عجائب وغرائب کا ذکر کیا ہے۔ (فرماتے ہیں کہ:)

جان لو! اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو بنایا اور وہ پہلا انسانی جسم تھا جو وجود پزیر ہوا اور اسے اللہ نے تمام انسانی جسموں کی اصل بنایا، آدم کے خمیر سے تھوڑی مٹی بچ رہی تو اس سے کھجور بنائی گئی، جو ہماری پھوپھی ہے شریعت نے اسے پھوپھی کہا ہے اور اسے مومن سے تشبیہ دی ہے۔ دوسرے تمام نباتات کے مقابلے میں اس کے عجیب وغریب اسرار ہیں۔ کھجور کے درخت کی تخلیق کے بعد اس مٹی سے تل کے برابر بچ رہا تو اللہ نے اس باقی ماندہ کو پھیلا کر وسیع فضا والی زمین بنائی اور عرش وکرسی، آسمانوں، زمین، تحت الثریٰ، تمام جنتیں اور نار کو اسی زمین سے بنایا، اور یہ سب اس زمین میں پڑے ہوئے ایک حلقے کی طرح ہیں۔ اور بہت سے عقلی ناممکنات جن کے محال ہونے پر صحیح عقلی دلیلیں موجود ہیں، اس زمین پر موجود ہیں، یہ زمین عارفین اور خدا آگاہوں کی نگاہوں کی تماشہ گاہ رہی ہے۔ جس میں وہ گھوما کرتے ہیں... آخر باب تک۔ (۱)

سیوطی نے کہا ہے کہ: ابن ابی حاتم نے ربیع بن انس سے روایت کی ہے انھوں نے کہا کہ: آدم نو یا دس بجے کے وقت جنت سے نکلے، ان کے ساتھ جنت کے درخت کی ایک شاخ بھی آئی جس کے سر پر جنتی پودوں کا ایک تاج تھا۔ سیوطی کے بقول طبرانی نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے انھوں نے کہا کہ: جب آدم جنت سے اتارے گئے تو ہندوستان میں اتارے گئے اور ان کے ساتھ جنتی درخت کا ایک پودا تھا جسے انھوں نے لگا دیا۔ الحدیث (۲) سیوطی کے مطابق بزار، ابن ابی حاتم اور طبرانی نے ابو موسیٰ اشعری سے اور انھوں نبی ﷺ سے روایت کی ہے آپ نے فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ نے جب آدم کو جنت سے نکالا تو جنتی پھلوں کو ان کے ساتھ کر دیا، اور انہیں ہر قسم کی صنعت کا

---

(۱) فتوحات مکیہ، مطبوعہ مصر: ۱۲۹۳ھ، ۱: ۱۶۳۔

(۲) الدر المنثور، ۱: ۵۸۔

علم دیا، تو دنیا کے پھل جنت کے پھلوں کی طرح ہیں، فرق صرف یہ ہے کہ یہاں کے پھل (کے ذائقے وغیرہ) بدل جاتے ہیں اور وہاں کے نہیں بدلتے۔ سیوطی فرماتے ہیں کہ ابن ابی حاتم نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے حدیث تخریج کی ہے، انھوں نے کہا کہ: آدم جنت کے پھلوں میں سے تیس قسم کے پھل لیکر اترے، جن میں سے بعض اندر و باہر سے کھائے جاتے ہیں، اور بعض کا اندرونی حصہ کھایا جاتا ہے اور باہری پھینک دیا جاتا ہے، اور بعض کا باہری کھایا جاتا ہے اور اندرونی پھینک دیا جاتا ہے۔ ابن وردی کے خریدہ العجائب میں ہے کہ: جب آدم علیہ السلام جنت سے اترے تو ان کے ساتھ تیس ڈالیاں تھیں جن میں مختلف انواع کے پھل لگے تھے۔ جن میں دس (پھل) چھلکے والے تھے، وہ ہیں: آخروٹ، بادام، پستہ (۱)، بندق (ایک جھاڑ دار درخت کے زیتون کی طرح چھلکے دار پھل، انگریزی میں: Hazelnut)، شاہ بلوط، صنوبر، انار، سنگترہ، کیلا اور پوستہ، اور ان پھلوں میں دس بغیر چھلکے والے تھے جن میں گٹھلیاں تھیں، وہ ہیں: کھجور، زیتون، زردالو، آڑو، آلو بخارا، فالسہ، غبیر ان (غیر معلوم) چیکو، زُعْرور (ایک قسم کا رس دار پھل، انگریزی: Howthorn, Berry)، نبک (نبق: ایک قسم کی بیری)، اور دس پھل ایسے تھے جن میں نہ چھلکا ہوتا ہے اور نہ گٹھلی، وہ ہیں، سیب، ناشپاتی، بہی، انجیر، انگور، ترنج (اُترُج: لیموں کی ایک قسم) ککڑی، خرُّوب یا کروب (بحیرہ روم کے علاقے کا ایک پھل، انگریزی: Corob)، تربوز اور کھیرا۔ (۲)

طبرانی نے کہا ہے کہ: اللہ تعالیٰ نے جب آدم کی توبہ قبول فرمائی تو جنت سے حجر اسود اور وہاں کے پھل اور خوشبوؤں کو ان کے پاس بھیجا جیسے: مہندی سنگترہ اور بادرنگ۔ اور سیوطی کے مطابق ابن ابی الدنیا نے "کتاب البکاء" میں علی بن طلحہ۔۔۔ نے م

(۱) دونوں مطبوعہ نسخوں میں "فستق" لکھا ہے، صحیح فستق ہے۔

(۲) تاریخ طبری، ۱: ۸۵، ۸۶۔

روایت کی ہے، انھوں نے کہا: آدم نے زمین پر اترنے کے بعد جو پہلی چیز کھائی وہ ناشپاتی تھی (۱)، سیوطی نے اپنی کتاب ''احسن الوسائل الی معرفة الاوائل'' میں لکھا ہے کہ: آدم نے اترنے کے بعد زمین کے پھلوں سے پہلی چیز جو کھائی وہ نبک (Berry) ہے اسے ابن سنی نے ''طب'' میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے۔

میں کہتا ہوں کہ ان دونوں اثر (حدیث) میں کوئی منافات نہیں ہے، دوسری روایت میں زمین کے پھلوں میں اولیت کی بات ہے، پہلی روایت کے برخلاف (کیونکہ اس میں زمین کے پھلوں کے بجائے جنت سے نکلنے کے بعد کھائے جانے والے پہلے پھل کا ذکر ہے) اور (نبق یا) نبک سدرہ کا پھل ہے۔

انہیں آثار میں سے ہندوستانی ناریل کے ساتھ ''کلمہ طیبہ'' کو تشبیہ دیا جاتا ہے سیوطی نے اپنی تفسیر میں اللہ تعالیٰ کے اس قول کے بارے میں کہا ہے'' الم تر كيف ضرب الله مثلا كلمة طيبة كشجرة طيبة ، أصلها ثابت و فرعها في السماء تؤتي أكلها كل حين بإذن ربها''(۲) (کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے اچھی بات کی کیسی مثال دی ہے جیسے اچھا درخت جس کی جڑ جمی ہے اور شاخیں آسمان میں ہیں جو اپنے رب کے حکم سے ہر وقت پھل دیتا ہے)، ابن مَرْدَوَیہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ انھوں نے اللہ تعالیٰ کے اس قول'' جو ہر وقت پھل دیتا ہے'' کے سلسلے میں کہا ہے کہ: وہ ہندوستان کے ناریل کا درخت ہے جو کبھی بے پھل کا نہیں رہتا، اور ہر ماہ اس میں پھل آتے ہیں (۳)

میں کہتا ہوں کہ اللہ سبحانہ نے کلمہ طیبہ (اچھی بات) کی تشبیہ اس اچھے درخت سے

---

(۱) الدر المنثور، ا:۵۶۔

(۲) سورہ ابراہیم: ۲۴

(۳) الدر المنثور، ا:۷۷، مذکورہ آیت کے تفسیر کے ذیل میں۔

Scanned by CamScanner

اس کے ہمیشہ پھل دینے اور اس میں بہت زیادہ فائدے ہونے کے سبب دی ہے، ضروری ہے کہ یہاں اس درخت کے خواص کا مختصراً ذکر کیا جائے، صاحب ''تحفۃ المومنین'' نے (اس سلسلے میں) جو کچھ فارسی میں کہا ہے میں اسے عربی میں ترجمہ کر رہا ہوں۔

ناریل: اسے ہندوستانی آخروٹ کہتے ہیں۔ اس کا درخت کھجور سے مشابہ ہوتا اور لگائے جانے کے سات سال بعد پھل دیتا ہے اور سو برس تک کی عمر پاتا ہے، اس کے پیٹ میں مزے دار پانی ہوتا ہے جو دودھ سے ملتا جلتا ہے، اگر اس کی ڈال کو کاٹا جائے یا اس کے پھل کو شروع ہی میں کاٹا جائے اور اس کے ساتھ کوئی برتن لٹکا دیا جائے تو اس میں قطرہ قطرہ کر کے آدھ سیر سے ڈھائی سیر تک اس کا پانی جمع ہو جاتا ہے، ایک دن اس کی مٹھاس باقی رہی ہے۔ یہ نشہ، فرحت اور باہ کو قوت بخشنے میں شراب پر فوقیت رکھتا ہے اور ایک دن کے بعد سرکہ کی طرح کٹھا ہو جاتا ہے، ناریل کی جٹا ایک عرصے تک چلتی ہے نہ خراب ہوتی ہے نہ ختم ہوتی ہے، اور اس سے بنے ہوئے برتن کے قریب موذی حیوانات نہیں آتے ہیں۔ ناریل دوسرے پہر کے آخر میں گرم اور اس کے شروع میں خشک مزاج کا ہوتا ہے۔ اس کی شکر نہایت گرم، خشک مزاج کی اور مضر ہوتی ہے۔ اس کا پانی گرم و تر مزاج کا ہوتا ہے۔ اس کا سرکہ پہلے پہر میں گرم اور دوسرے پہر میں خشک مزاج کا ہوتا ہے۔ اس کا مغز منی پیدا کرتا ہے۔ گردے اور کمر کو حرارت پہنچاتا ہے۔ اور ٹھنڈک زدوں کے جسم کو موٹا کرتا ہے۔ خون بڑھاتا ہے اور قطرے آنے (سلس البول) میں فائدہ پہنچاتا ہے۔ مثانہ اور جوڑوں کے پرانے درد میں فائدہ مند ہے۔ منہ کے لئے اچھی بو والا ہے، ٹھنڈے بلغمی اور سوداوی مادے کو دور کرتا ہے جیسے فالج جنون وغیرہ۔ جگر کی کمزوری اندرونی زخموں اور بواسیر میں فائدے مند ہے۔ شکر کے ساتھ ملانے پر اچھا خون پیدا کرتا ہے، اور فطری حرارت کو تقویت دیتا ہے۔ اس کی اوپری سطح دیر ہضم ہے، ثقیل خلط پیدا کرتی

ہے، جوشکر اور نبات سے ٹھیک ہوتا ہے، گرم مزاج لوگوں کے لئے نقصان دہ ہے، کھٹے پھلوں اور لیموں سے اس کا علاج ہوسکتا ہے۔اس کا سڑا اور متعفن چھلکا دورے اور بے ہوشی کا موجب ہے۔ ناریل کے چھلکے کا تین مثقال اوراس کے پانی کا تین اونس (Ounce) ملا کر ایک شربت بنتا ہے جس کا پینا جنون، مالیخولیا اور قوت باہ کے اضافے کے لئے مفید ہے۔اس کا سرکہ پیٹ کے کیڑے کو نکالتا ہے، قرعہ کو دور کرتا ہے اور ہاضمے کو مضبوط کرنے میں مؤثر ہے، اور گوشت کو گلاتا ہے۔، اس کے چھلکے کی راکھ دانتوں کو اجلا کرتی ہے، (چہرے کی) جھائیں کو مٹاتی ہے، چہرے کے رنگ کو نکھارتی ہے، اور داد، خارش اور کھجلی کو دور کرتی ہے۔اس راکھ کو مہندی کے ساتھ استعمال کرنا بال کو مضبوط کرتا ہے۔ناریل کے کوٹنے اور ابالنے کے بعد نکالا گیا تیل پینے اور مرہم کے کام آتا ہے، فہم کو مضبوط کرنے، گردے کی چربی کو پیدا کرنے، مثانہ کے درد اور اس کی ریاح کو دور کرنے میں فائدہ مند ہے، گھٹنے کے درد، بواسیر اور تحریک باہ میں بھی فائدہ مند ہے۔پینے کی مقدار تین مثقال ہے۔

''تحفۃ المومنین'' کا ترجمہ ختم ہوا۔ ناریل انسان کے اس وصف میں شریک ہے کہ اس کا اوپری حصہ کٹنے اور پوری طرح سے پانی میں ڈوبنے پر وہ سوکھ جاتا ہے۔

اورانھیں (آثار) میں سے دانوں اور بیجوں کا اترنا ہے ابن جریج کی حدیث میں عنقریب آئے گا کہ: حضرت آدم ایک ظرف کے ساتھ اترے جس میں بیجیں تھیں۔ سیوطی نے کہا ہے کہ ابن ابی حاتم اور ابوالشیخ نے ''العظمۃ'' میں سری بن یحییٰ سے روایت کی ہے، انھوں نے کہا کہ: آدم جنت سے اترے اور ان کے ساتھ بیجیں تھیں، تو ابلیس نے ان پر ہاتھ رکھ دیا، جن بیجوں پر اس کا ہاتھ پڑا اس کی منفعت ختم ہوگئی۔(۱)

---

(۱) الدر المنثور، ۱: ۴: ۵۴۔

دمیری (۱) نے حیاۃ الحیوان میں کہا ہے کہ: آدم پر سب سے پہلے گیہوں اترا جو شتر مرغ کے انڈوں کے برابر تھا اور ان سے کہا گیا کہ یہ تمہارا اور تمہاری اولاد کا رزق ہے ،چلواس کی کھیتی اور زراعت کرو، اور (گیہوں کا یہ) دانہ اسی طرح رہا پھر مرغی کے انڈے کے برابر ہوا پھر کبوتر ے اور پھر بُندق (زیتون جیسا ایک پھل) کے برابر ہو گیا۔ عمر بن عبدالعزیز کے عہد میں یہ مٹر جیسا تھا۔ انھوں نے مزید کہا کہ: گیہوں کا دانہ بونے والے پہلے شخص آدم علیہ السلام تھے۔ (۲)

حدیث میں آیا ہے کہ: اللہ تعالیٰ نے آدم کے پاس ایک لال بیل اور لال گائے کو اتارا تو انھوں نے ان کے ذریعے کھیتی کی پھر جبریل ان کے پاس گیہوں کے تین دانے لیکر آئے تو آدم نے ان کو کوٹا یہاں تک کہ وہ چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں بدل گئے پھر انہیں بو دیا اور اس کے بھونسے کو بکھیر دیا جس سے جو پیدا ہوئی۔ جب دونوں بیل اور گائے کھیتی کرتے کرتے تھک گئے تو انھوں نے گوبر اور پیشاب کیا اور ان کے پسینہ بہا، اور وہ دونوں تکان سے روئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے گوبر سے سیم کی پھلی اور ان کے پیشاب سے مٹر (یا چنا: حمص) اور ان کے پسینے سے مسور کی دال پیدا کی اور ان کے آنسو سے باجرہ اور اس کے بھونسے سے مکئی پیدا کی۔ (۳)

انھیں (آثار) میں سے دواؤں کا اترنا ہے، ابن عباس سے مروی ابن سعد کی حدیث میں: مُر (ایک قسم کی ترش دوا) اور لوبان کے اترنے کا ذکر ہو چکا ہے۔ ''مر'' ایک

---

(۱) محمد بن موسیٰ شافعی متوفی ۸۰۸ھ، عالم وادیب، اصلا دمیرہ (مصر) کے تھے، لیکن پیدائش، نشوونما اور وفات قاہرہ میں ہوئی، انکی مشہور کتاب ''حیاۃ الحیوان الکبریٰ'' اگر چہ اصلا جانوروں کے موضوع پر ہے لیکن اسے عربی ادب کے ایک اہم ماخذ کی حیثیت حاصل ہے۔ الأعلام، ۷: ۱۱۸۔

(۲) حیاۃ الحیوان، ۱: ۴۸۸، بحوالہ نسخہ مطبوعہ علی گڑھ۔

(۳) نفس مرجع، ۱: ۲۵۲۔

طرح کا منجمد پانی ہے جو ببول کے درخت سے مشابہ ایک درخت سے نکلتا ہے۔ اور لوبان ''کندر'' ہے دونوں مشہور ہیں، اور دونوں (مُر اور لوبان) کی خاصیتیں طب کی کتابوں میں تحریر ہیں۔ طبری نے اپنی تاریخ میں سرندیپ میں نزول آدم کے ذکر میں کہا ہے کہ: اس پہاڑ کی چوٹی پر آدم اپنی لغزش پر تین سو سال تک روتے رہے، تو ان کے آنسوؤں سے پہاڑ کے چاروں طرف دواؤں والے پودے اگ آئے یہ دوائیں ہندوستان سے ساری دنیا میں لے جائی جاتی ہیں۔ (۱)

صحیحین (بخاری و مسلم) میں ام قیس رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اپنے بیٹے کو لیکر آئیں جو حلق میں درد کے سبب ٹشکن پہنے تھا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: کس لئے تم لوگ اپنے اولاد کی حلق کو اس ٹشکن کے ذریعے دباتی ہو، تمہیں چاہئے کہ عود ہندی استعمال کرو اس میں سات امراض کی شفا ہے۔ ان امراض میں سے پھیپھڑوں کا ورم (Pleurisy) بھی ہے، اور حلق کے درد میں اسے نتھنوں سے ڈالا جاتا ہے، اور پھیپھڑوں کے ورم میں اسے حلق سے ڈالا جاتا ہے (۲) اور جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انھوں نے کہا کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عائشہ (رضی اللہ عنہا) کے پاس آئے ان کے پاس ایک بچہ تھا جس کے دونوں نتھنوں سے خون بہہ رہا تھا پوچھا یہ کیا ہے؟ عورتوں نے عرض کیا کہ اسے ''عذرہ'' یعنی حلق میں تکلیف ہے یا سر میں درد ہے، فرمایا: تمہارا برا ہو! اپنے بچوں کو قتل مت کرو، جس کے بچے کے حلق یا

---

(۱) تاریخ طبری،

(۲) صحیح مسلم، کتاب السلام، حدیث رقم: ۴۱۰۳؛ وصحیح بخاری، کتاب الطب، حدیث رقم: ۵۲۷۶ و ۵۲۷۹؛ وسنن ابی داؤد، کتاب الطب، حدیث رقم: ۳۳۷۹؛ وسنن ابی ماجہ، کتاب الطب، حدیث رقم: ۳۴۵۳؛ ومسند احمد، باقی مسند الانصار، حدیث رقم: ۲۵۷۶۰۔

Scanned by CamScanner

سر میں درد ہوا سے چاہئے قسط ہندی کو پانی میں حل کر کے بچے کی ناک میں ڈالے تو عائشہ نے اسے ایسا کرنے کا حکم دیا اور اس نے کیا چنانچہ اس کا بچہ شفایاب ہو گیا(۱)

''العذرہ'' عین مہملہ کے پیش اور ذال معجمہ کے سکون کے ساتھ حلق کے درد کو کہتے ہیں جو خون کے دباؤ کے سبب عموماً بچوں کو لاحق ہوتا ہے۔''الدغر'' دال مہملہ کے زبر اور غین معجمہ کے سکون کے ساتھ: حلق کا مرض۔اور ''السعوط'': ناک میں دوا ڈالنا۔علاق: مساج کرنا یا جس کے ذریعے 'عذرہ' کا مساج کیا جائے، بچوں کو پہنائی جانے والی تعویذ کو بھی علاق کہتے ہیں۔

''العود الہندی'' قسط یا کست، جس کے ذریعے لوگ اپنے بچوں کے حلق کی تکلیف کا علاج کرتے تھے اور تعویذ کے طور پر ان کے گلوں میں بھی لٹکاتے تھے۔تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں اس سے منع کیا اور جو فائدے مند طریقہ تھا اس کی انہیں ہدایت کی یعنی عذرہ کو انگلیوں سے دبا کر اپنے بچوں کو تکلیف مت دو بلکہ عود ہندی کا استعمال کرو اس لئے کہ عذرہ وہ خون ہوتا ہے جس پر بلغم غالب آجاتا ہے اور اس دوا میں رطوبت کو سکھانے کی خاصیت ہے۔اور رہا پھیپھڑوں کے ورم کا قسط ہندی (یا عود ہندی) کے ذریعے علاج تو جالینوس وغیرہ نے بھی کہا ہے کہ: یہ سینہ کے درد میں فائدہ مند ہے۔اور بعض قدیم طبیبوں نے کہا ہے کہ: اسکا استعمال اس وقت ہوتا ہے جب بدن کے کسی مادے کو اندر سے باہر کی طرف جذب کرنا ہوتا ہے۔ممکن ہے کہ قسط ان دونوں مرضوں میں خصوصی طور پر فائدہ مند ہو۔پھر یہ بھی تو ہے کہ معجزہ طبی قاعدوں سے پرے ہوتا ہے۔ہمارے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد کافی ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ام قیس کی حدیث میں سات امراض میں سے صرف پھیپھڑوں کا ورم اور حلق کے درد کا ذکر کیا ہے، باقی پانچ کو جاننے کی حاجت نہ ہونے م

---

(۱) مسند امام احمد، باقی مسند المکثرین، حدیث رقم: ۱۳۸۶۶۔

باعث بیان نہیں کیا گیا، یا سات کے ذریعے صرف کثرت کا بیان مقصود ہو۔ حکماء نے کہا ہے کہ: یہ حیض اور پیشاب کو جاری کرتا ہے، زہر میں فائدہ مند ہے، شہوت جماع کو ابھارتا ہے اور شہد کے ساتھ پینے پر پیٹ کے کیڑے کو مارتا ہے، اور آنتوں کے زخم (Ulcer) میں فائدہ بھی مند ہے۔ اس کا لیپ لگانے سے جھائیاں ختم ہوتی ہیں، معدے اور جگر کی ٹھنڈک میں نفع پہنچاتا ہے، اور گلابی بخار (Rose fever) اور ربع بخار (Quartan fever) میں بھی نافع ہے، اس کا دھواں، زکام، نزلہ اور وبا میں فائدہ مند ہے۔

انھیں (آثار) میں سے چوپایوں کا اترنا ہے۔ ابن سعد سے مروی حدیث گزر چکی ہے کہ: جب اللہ نے آدم وحوا کی عریانیت کو دیکھا تو انھیں ایک مینڈھا ذبح کرنے کا حکم دیا، (جانوروں کے) ان آٹھ جوڑوں میں سے جنہیں اللہ نے جنت سے اتارا تھا۔(۱) سیوطی نے کہا کہ ابن منذر نے ابن جریج سے روایت کی ہے انھوں نے کہا کہ: جب آدم کو اللہ تعالیٰ نے اتارا تو چند چیزوں کے ساتھ اتارا، (ان میں) اونٹ، گائے، بکری، بھیڑ کے آٹھ جوڑے اور ایک برتن (یا تھیلا) میں بیجیں اور انگور اور ریحان کے پودے، اور سندان (ہادن یا اہرن) وزنبور بھی اتارا۔ (۲)

انھیں میں سے قدح آدم بھی ہے۔ ''خریدہ العجائب'' میں سکندر ذوالقرنین کا طویل قصہ مذکور، ہے جس میں ہے کہ: وہ جب ہندوستان پہنچا تو ہندوستان کے راجہ نے سکندر کو بہت سے عجیب وغریب تحفے دئے تھے جس میں ایک پیالہ بھی تھا جس سے اس کے تمام لشکری پانی پی لیتے تھے۔ اور وہ پیالہ حضرت آدم کا تھا جس میں شاہی جواہرات جڑے تھے۔

انھیں میں سے طوفان کا ہندوسند کے قریب نہ ہونا ہے، اُس قول کے مطابق

---

(۱) الدر المنثور، ۱: ۵۸۔

(۲) الدر المنثور ۱: ۵۶۔

Scanned by CamScanner

جس میں طوفان (نوح) کو ایک مخصوص جگہ ہی میں مانا گیا ہے، سیوطی نے براہ ازرقی، ابوشیخ نے 'عظمہ' میں اور ابن عساکر نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے طویل حدیث نقل کی ہے، اسی میں ہے کہ: جس نے سب سے پہلے خانۂ خدا کی بنیاد ڈالی، اس میں نماز ادا کی اور اس کا طواف کیا وہ آدم علیہ السلام تھے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالی نے طوفان بھیجا جو انتہائی غضبناک تھا، تو جہاں تک طوفان پہنچا وہاں سے آدم کی بو چلی گئی یہ طوفان سرزمین سندو ہند تک نہیں پہنچا۔ خانۂ خدا اس طوفان میں ڈھہ گیا پھر اللہ نے ابراہیم واسماعیل علیہما السلام کو بھیجا جنھوں نے اس کی بنیادوں کو بلند کیا اور نشانیوں کو واضح کیا۔ اور ان کے بعد اس کی تعمیر قریش نے کی، وہ بیت المعمور کے مقابل ہے اور کوئی چیز بیت المعمور سے گرے تو اسی پر آکر پڑے۔ (۱) سیوطی نے کہا ہے کہ ابن جریر، ابن منذر، ابن ابی حاتم اور حاکم نے تصحیح کے ساتھ ابن عباس سے روایت کی ہے انھوں نے فرمایا: حضرت نوح کی بددعا اور ان کی قوم کی تباہی کے درمیان تین سو سال کا عرصہ تھا۔ تنور کا ابلنا ہندوستان میں پیش آیا تھا، اور سفینہ نوح ایک ہفتہ تک بیت اللہ کا طواف کرتا رہا۔ (۲) ابن سعد اور ابن عساکر نے کلبی کے ذریعے ابی صالح سے اور انھوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے طویل حدیث روایت کی ہے جسے سیوطی نے اپنی تفسیر میں ذکر کیا ہے اسی میں ہے: بوذ پہاڑ سے نوح نے سفینے کو چلایا اور وہیں سے طوفان کا آغاز ہوا۔ (۳)

ابن عباس سے مروی دونوں حدیثوں میں تطبیق کا یہ طریقہ ہے کہ: کبھی ہندوستان بول کر حکومت دہلی، سند، دکن اور سرندیپ جو دکن کے ایک گوشے میں ہے سب مراد لیا جاتا ہے اور کبھی ہندوستان کا اطلاق خاص ہوتا ہے یعنی صرف حکومت دہلی مراد ہوتی ہے۔

---

(۱) الدر المنثور، ۱: ۵۹۔

(۲) الدر المنثور، ۳: ۳۲۸۔

(۳) الدر المنثور، ۳: ۳۲۹۔

Scanned by CamScanner

جوسند کی قسیم (دو چیزوں کے درمیان ایسا رشتہ کہ دونوں ایک ہی چیز کی قسم ہوں) ہے، لہٰذا حدیث (اوّل) میں ہندوستان سے مراد خاص معنوں والا ہندوستان ہے اور اس کی دلیل ''سند'' کا قرینہ ہے۔ یہ بھی وارد ہوا ہے کہ تنور کوفہ کی مسجد میں اُبلا اور نوح علیہ السلام نے اس مسجد کے درمیان سے کشتی چلائی، اس صورت میں ہندوستان سے مراد اس کا عام معنی ہے اور سِند کے بعد اس کا ذکر، خاص کے ذکر کرنے کے بعد عام کا ذکر کرنے کے قبیل سے ہے۔ سیوطی نے کہا کہ: ابن منذر، ابن ابی حاتم اور ابوالشیخ نے علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، آپ نے فرمایا: مسجد کوفہ کے 'کندہ' کے دروازوں کے سامنے تنور ابلا تھا، اور ابوشیخ نے حبۃ العربی سے روایت کی ہے، انھوں نے کہا کہ: ایک شخص علی (رضی اللہ عنہ) کے پاس آیا اور کہا کہ: میں نے ایک سواری خریدا ہے اور زادراہ تیار کیا ہے اور چاہتا ہوں کہ بیت المقدس جاکر اس میں نماز ادا کروں علی (رضی اللہ عنہ) نے اس سے فرمایا: اپنی سواری اور زاد کو فروخت کردو، اور اِس مسجد میں نماز پڑھو، یہاں ستر نبیوں نے نماز ادا کی ہے، اور یہیں یعنی مسجد کوفہ سے تنور ابلا تھا۔ ابن عساکر نے مجاہد سے حدیث روایت کی ہے کہ: تنور اسی میں تھا، اور ہماری اطلاع کے مطابق جب تنور ابلا تھا تو وہ مسجد کوفہ کے ایک گوشے میں تھا، الحدیث۔ ابوشیخ نے براہ شعبی علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے آپ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس نے دانے کو پھاڑا اور ہر متنفس کو پیدا کیا۔ تمہاری یہ مسجد مسلمانون کی چار (بڑی) مسجدوں میں سے چوتھی ہے، مسجد حرام اور مسجد رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ مسجدوں میں پڑھی جانے والی دس رکعتوں سے اسکی دو رکعتیں مجھے زیادہ محبوب ہیں۔ اس کے داہنی طرف قبلے کے سامنے تنور ابلا تھا۔ (۱) ابوشیخ نے سدی بن اسماعیل ہمدانی سے روایت کی ہے، کہا کہ: نوح نے اس مسجد کے درمیان کشتی کو چلایا اور اس کی داہنی طرف سے تنور ابلا تھا، الحدیث علاوہ ازیں یہ بھی جان لو کہ

---

(۱) الدر المنثور، ۳: ۳۲۹۔

Scanned by CamScanner

مجوسیوں کی طرح ہنود بھی طوفان کونہیں مانتے ہیں۔

انہیں (آثار) میں ہندوستان میں جنت کی نہر کا اترنا ہے۔ صحیح مسلم میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہا کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: سیحان وجیحان، وفرات ونیل جنت کے دریاؤں میں سے ہیں۔(۱) ملا علی قاری نے مشکاۃ کی اپنی شرح میں کہا ہے کہ: فرات کوفے کا دریا ہے اور نیل مصر کا جب کہ سیحون ہندوستان کا دریا ہے اور جیحون بلخ کا۔ نووی نے کہا ہے کہ سیحان وجیحان، سیحون وجیحون کے علاوہ ہیں۔ اور (علماء نے) اتفاق کیا ہے کہ جیحون 'واؤ' کے ساتھ خراسان کا دریا ہے، اور کہا گیا ہے کہ سیحون سند میں ایک دریا (کا نام) ہے، اور ان چاروں دریاؤں کو جنت کے دریا قرار دینے کی وجہ ان (کے پانی) کا میٹھا اور ہاضم ہونا ہے، اور ان میں آسمانی برکت کا شامل ہونا ہے اور ان کے پاس انبیاء کے ورود، اور ان کے ذریعے ان کا پانی پی کر انہیں شرف بخشنا ہے۔ اور اس کی مثال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مدینے کی عجوہ (ایک قسم کی کھجور) کے بارے میں یہ قول ہے کہ: یہ جنت کے پھلوں میں سے ہے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ آپ ﷺ نے ان دریاؤں کو جو جنت کی تمام دریاؤں کی اصل ہیں، ان ناموں سے اس لئے موسوم کیا تا کہ یہ جانا جائے کہ یہ جنت میں ویسی ہی ہیں۔ جیسے یہ چاروں دنیا میں ہیں۔ یا یہ ان اسما کے مدلولات ہیں۔ اور اسی حیثیت سے ان میں ایسا اشتراک پیدا ہوا۔ اس کا ذکر ہمارے علماء میں سے ایک شارح نے کیا ہے۔

---

(۱) صحیح مسلم، کتاب الجنۃ وصفۃ نعیمہا واھلہا، حدیث رقم: ۵۰۷۳؛ ومسند امام احمد، باقی مسند المکثرین، حدیث ۷۲۲۹، ۷۵۴۷، ۹۲۹۷۔

(۲) ابو الفضل عیاض بن موسی بستی مالکی، جلیل القدر محدث، عالم وشاعر، ۴۷۶ھ میں پیدا ہوئے، اور ۵۴۴ھ میں وصال ہوا، الشفا، الا کمال اور مشارق الأنوار اہم تصنیفات میں ہیں۔ دیکھئے: مقدمہ الشفا بتعریف حقوق المصطفی، طبعہ مصورہ، پور بندر: مرکز اہلسنت برکات رضا، غیر مورخ۔

Scanned by CamScanner

قاضی عیاض (۲) نے کہا ہے کہ ان دریاؤں کے جنت سے ہونے کا معنی یہ ہے کہ انہیں کے ملکوں میں ایمان پھیلا ہے اور جسموں کو ان کے پانی سے غذا ملتی ہے اور یہ جنت میں منتقل ہونے والی ہیں۔ اور زیادہ صحیح یہ ہے کہ یہ اپنے ظاہر پر ہیں۔ اور اہل سنت کے نزدیک یہ جنت کے مادے سے بنائی گئی ہیں اسی لئے ابھی تک موجود ہیں۔ مسلم نے کتاب الایمان کی حدیث ، الاسراء، میں ذکر کیا ہے کہ فرات اور نیل جنت سے نکلتی ہیں۔ (۱) اور بخاری میں کہ انکی اصل سدرة المنتھی ہے۔ (۲) اور قرطبی نے اپنی تفسیر میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روات کی ہے کہ: نبی ﷺ نے فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ نے جنت سے زمین کی طرف پانچ دریادوں کو اتارا: سیحون ہندوستان کا دریا ہے۔ جیحون بلخ کا دریا ہے، دجلہ فرات عراق کے دریا ہیں اور نیل مصر کا۔ اور اللہ تعالیٰ نے انہیں جنت (یا ان چشموں) کے سب سے نچلے درجے سے جبریل علیہ السلام کے دونوں پروں کے ذریعے اتارا، پھر اللہ تعالی نے ان دریاووں کو پہاڑوں میں جمع کیا، اور زمین میں جاری کیا، اور ان میں لوگوں کے لئے ہر طرح کی زندگی کے فوائد بنائے، یہی مطلب اللہ جل شاءہ کے اس قول کا ہے: "و أنزلنا من السماء ماءً بقدر فأسكناه في الأرض "(۳) (ہم نے ایک اندازے کے مطابق پانی اتارا اور زمین میں اسے قرار دیا ہے۔) اور جب یاجوج و ماجوج کا خروج ہوگا تو اللہ تعالیٰ جبریل کو بھیج کر زمین سے قرآن، علم اور ان پانچوں دریاؤں کو اٹھوا لے گا جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ: "و اِنّا علی ذھاب بہ

---

(۱) صحیح مسلم، کتاب الجنة وصفة نعیمھا واُھلھا، حدیث رقم: ۵۰۷۳۔

(۲) صحیح بخاری، کتاب بدء الخلق، حدیث رقم: ۲۹۶۸؛ دوسری روایت اسی مفہوم کی کتاب الأشربة، حدیث رقم: ۵۱۷۹ میں بھی ہے، البتہ بخاری کی تیسری روایت (کتاب التوحید، حدیث رقم: ۶۹۶۳) سے ان دونوں دریاؤوں کا آسمانِ دنیا میں ہونا معلوم ہوتا ہے۔

(۳) سورہ المومنون: ۱۸۔

لقادرون" (اور بلاشبہ ہم اس کو لے جانے پر قادر ہیں) اور جب یہ چیزیں زمین سے اٹھ جائیں گی تو اہل زمین دین و دنیا کی بھلائی سے محروم ہو جائیں گے۔ (۱) کعب رضی اللہ عنہ سے مروی خبر میں ہے کہ: نیل شہد کا دریا ہے، دجلہ دودھ کا، فرات شراب کا، اور سیحان جنت میں پانی کا دریا ہے۔ شیخ محی الدین ابن عربی، اللہ ان کی روح کو فرحت بخشے، فتوحات مکیہ کے باب نمبر تین سو دو میں فرماتے ہیں کہ: اہل کشف نیل، فرات، سیحان اور جیحان کو شہد، پانی، شراب اور دودھ کی دریاؤں کی طرح دیکھتے ہیں جیسا کہ وہ جنت میں ہیں۔ اس لئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی گئی ہے (یا انھوں نے خبر دیا ہے) کہ یہ دریا جنت کے ہیں۔ اور اللہ نے جس کی بصیرت کو وا نہیں کیا، اور جو اپنے حجاب کے اندھے پن پر باقی رہا، وہ اس کا ادراک نہیں کر پاتا۔ (۲)

انہیں آثار میں سے عامود دریا ہے۔ صاحب مستطرف نے صاحب "تحفۃ الغرائب" سے نقل کیا ہے کہ دریائے عامود ہندوستان میں ہے۔ دریا کے پاس ایک لوہے کا درخت ہے اور کہا گیا ہے کہ تانبے کا ہے، اور اس دریا کے اندر ایک تانبے کا کھمبا ہے اور کہا گیا ہے کہ لوہے کا ہے۔ اس کی لمبائی پانی کے اوپر دس ہاتھ، اور چوڑائی ایک ہاتھ ہے۔ اور اس کھمبے کے اوپر تین برابر کی شاخیں ہیں، اور اس کے نزدیک ایک شخص ایک کتاب پڑھ رہا ہے اور کہتا ہے کہ: اے بڑی برکت والے خوشخبری ہے اس کے لئے جو اس درخت پر چڑھا اور اپنے آپ کو اس کھمبے پر ڈال دیا تو وہ جنت میں جائے گا۔ اور (صاحب مستطرف نے) کہا ہے کہ اس طرف کے لوگوں میں جو چاہتا ہے وہ اُس پیڑ پر

---

(۱) الجامع لأحکام القرآن، زیر تفسیر سورہ مومنون، آیت نمبر ۱۸۔ اس میں وارد نص کا ایک جملہ "فیرفع ذلک إلی السماء" چھوٹا ہوا ہے۔

(۲) فتوحات مکیہ، ۳: ۱۶۔

(۳) المستطرف، ۲: ۱۶۷۔

Scanned by CamScanner

چڑھتا ہے اور خود کو گراتا ہے اور جان دے دیتا ہے۔(۳)

اور انھیں میں سے ہندوستانی زبان کا قرآن میں واقع ہونا ہے۔سیوطی نے اللہ تعالیٰ کے اس قول ''طوبیٰ لھم وحسن مآب ''(۱)(ان کے لئے طوبی اور واپسی کی اچھی جگہ ہے۔) کی تفسیر میں کہا ہے کہ: ابن جریر اور ابوشیخ نے سعد بن مسجوح سے روایت کی ہے، انھوں نے کہا کہ: طوبیٰ ہندوستانی زبان میں جنت کا نام ہے۔اور ابن منذر نے سعید بن جبیر سے روایت کی ہے، کہا کہ: ہندوستانی میں جنت کا نام ہے۔(۲) قاموس میں ہے: طوبیٰ ہندوستان میں جنت کو کہتے ہیں۔ (۳)سیوطی نے اللہ تعالیٰ کے قول ''سُندُسٍ خُضرٍ'' کے بارے میں شیذلہ سے نقل کیا ہے:''سندس'' (۴)ہندوستانی میں باریک دیباج (ایک کپڑا) کو کہتے ہیں۔(۵)

---

(۱) الرعد:۲۹۔

(۲)الدرالمنثور،۴:۵۹۔

(۳)ص، ۱۴۱۔

(۴)الکہف:۳۱؛ والدخان:۵۳؛ والانسان:۲۱۔

(۵) ڈاکٹر فضل الرحمان (محقق نسخہ مطبوعہ ادارہ علوم اسلامیہ، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ) کے مطابق تفسیر الدرالمنثور میں یہ عبارت موجود نہیں ہے، اور نہ ہی اگلے لفظ ''ابلعی'' کے ہندوستانی ہونے کا اس میں کوئی ذکر ہے (دیکھئے: صفحہ: ۴۸، حاشیہ: ۵ وصفحہ ۴۹، حاشیہ: ۲)، دراصل علامہ سیوطی کے یہ دونوں اقوال درمنثور کے بجائے ''مُعَرَّب'' کے موضوع پر انکی تصنیف ''المتوکلي'' سے ماخوذ ہیں، لیکن آزاد بلگرامی کسی وجہ سے ماخذ کا ذکر نہیں کر سکے، حالانکہ انھوں نے اپنی اسی کتاب میں آگے خود ہی کہا ہے کہ: ہر وہ قول جو میں نے کسی کتاب کے ذکر کے بغیر سیوطی کی طرف منسوب کیا ہے وہ درمنثور سے لیا گیا (اعلم أني كلما ذكرت فيها : قـ السيوطي ، مطلقافهو من تفسيره الدر المنثور) متوکلی [illegible] سند اور بغیر کسی لفظی اختلاف کے یہ دونوں عبارتیں موجود ہیں۔ دیکھئے: مخطوطہ دار الکتب المصریہ، کاتب: مصطفیٰ بن محمد، ضمن مجموع رقم: ۹۵ مجامیع م، سات اوراق، ۲۳ سطر، سائز: ۱۶×۲۱۔

میں کہتا ہوں کہ: شیذلہ (متوفی ۴۹۴ھ) شین اور ذال معجمہ اور دونوں کے درمیان یائے تحتانیہ کے ساتھ ہے جیسے: حیفلۃ یہ لقب ہے عزیزی بن عبدالملک کا جو کتاب "البرهان تفسير متشابه القرآن" کے مصنف ہیں۔ سیوطی نے کہا ہے کہ ابو شیخ نے جعفر بن محمد سے انھوں نے اپنے والد رضی اللہ عنہم سے روایت کی ہے کہ اللہ تعالی کے اس قول "يا أرض ابلعي ماءك" (۱) (اے زمین اپنا پانی پی جا) میں 'ابلعي' کا معنی ہندوستان زبان میں "اشربی" (پی جا) ہے۔ (۲) میں کہتا ہوں کہ: یہ آیت قرآن عظیم کی فصیح ترین آیت ہے جیسا کہ علمائے فصاحت نے کہا ہے، لہٰذا ہندوستان کی زبان کا کلام الٰہی بالخصوص اس آیت کریمہ میں ہونا عجائب میں سے ہے۔

ان آثار میں سے (کچھ) متفرق امور ہیں: سیوطی نے کہا کہ: ابن جریر نے اپنی تاریخ میں، بیہقی نے شعب الایمان میں اور ابن عساکر (۳) نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ انھوں نے کہا کہ: جس وقت آدم جنت سے نکلے تو جس چیز کے پاس سے بھی گزرتے تو اس کے ساتھ وقت گزارتے (یا جاننے کی خواہش میں اس کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کرتے) تو فرشتوں سے کہا گیا کہ ان چیزوں میں سے جن کو وہ چاہیں انھیں بلا کر فراہم کی جائیں۔ بعد ازیں وہ ہندوستان میں اترے اور ہندوستان سے انھوں نے پیدل چالیس حج کئے۔ (۴) سیوطی نے کہا کہ ابن ابی حاتم نے قتادہ سے روایت کی ہے انھوں نے کہا کہ: مجھ سے ذکر کیا گیا ہے کہ زمین چوبیس ہزار فرسخ ہے: ان

---

(۱) هود: ۴۴۔

(۲) التوکلی (مخطوطہ) ورقہ رقم: ۵۔

(۳) علی بن حسن، محدث ومورخ، دمشق میں پیدا ہوئے اور وہیں ۵۷۱ میں وصال ہوا، الأعلام: ۴: ۲۷۳

(۴) الدر المنثور، ۱: ۵۶۔

میں سے بارہ ہزار ہندوستان، آٹھ ہزار چین، تین ہزار مغرب اور ہزار (فرسخ کا) عرب ہے۔ سیوطی نے کہا کہ ابن ابی حاتم نے، اور ابو شیخ نے ''العظمۃ'' میں عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے انھوں نے کہا کہ: دنیا کی صورت پانچ تصویروں میں بنائی گئی ہے جو سب ایک پرندے کی شکل میں ہیں جس کے سر، سینہ، دو پَر اور دم ہے۔ جس میں مکہ مدینہ اور یمن سر (کی جگہ) ہیں۔ مصر و شام سینہ ہیں۔ عراق اور عراق کے پیچھے ایک قوم ہے جسے واق کہتے ہیں اور اس کے پیچھے قواق نام کی امت ہے اور اس کے پیچھے اور امتیں ہیں جنہیں اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا یہ سب داہنے پَر (کی جگہ) ہیں۔ اور سند اور اس کے پیچھے ہندوستان اور اس کے پیچھے ایک قوم ہے جسے ناسک کہتے ہیں اور اس کے پیچھے ایک قوم ہے جو منسک کہلاتی ہے اور اس کے پیچھے اَور قومیں ہیں جنہیں اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا یہ سب بائیں پر (کی جگہ) ہیں۔ اور اس کی دم حما سے لیکر غروب شمس تک (کی زمین) سے تشکیل پاتی ہے۔ اور پرندے میں جو سب سے برا ہے وہ اس کی دم ہے۔

امام غزالی نے بداء الخلق میں موسیٰ علیہ السلام کے ذکر کے دوران ''سلویٰ'' کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ: عکرمہ نے کہا کہ: وہ ایک پرندہ ہے جو ہندوستان میں ہوتا ہے اور جو گوریا سے بڑا ہوتا ہے۔ ابوالبقا نے (کتاب) منسک میں حکایت بیان کی ہے کہ عبداللہ بن مالک نے کہا کہ: میں ہندوستان میں داخل ہوا اور گھومتا ہوا ایک شہر میں پہنچا جسے نمیلہ یا تمیلہ کہتے ہیں۔ وہاں میں نے ایک بڑے درخت کو دیکھا جس کے بادام جیسے چھلکے دار پھل ہوتے ہیں، اگر اس کے پھل کو توڑا جائے تو اس میں سے ایک ہرے رنگ کا تہ کیا ہوا کاغذ نکلتا ہے جس پر لال روشنائی سے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھا ہوتا ہے۔ ہندوستان کے لوگ اس پیڑ سے برکت حاصل کرتے ہیں، اور اس کے وسیلے سے بارش مانگتے ہیں اگر ان کے یہاں بارش رک جاتی ہے۔ سیوطی نے کہا ہے کہ: عبدالرزاق

Scanned by CamScanner

،ابن ابی شیبہ، عبد بن حمید، ابن منذر اور ابن ابی حاتم نے حسن سے روایت کی ہے انھوں نے کہا کہ: جب سلیمان علیہ السلام کو (ایک بار) گھوڑے نے مشغول کر دیا حتی کہ ان کی نماز عصر قضا ہوگئی تو وہ اللہ کے لئے غضبناک ہوئے اور گھوڑے کو ذبح کر دیا تو اللہ نے اس کی جگہ ان کو بہتر بدل عطا فرمایا، اور (ان کے لئے) ہوا کو تیز کر دیا جو ان کے حکم سے چلتی تھی جیسا چاہتے تھے، صبح و شام کی اس کی آمد و رفت ایک ایک ماہ کے برابر تھی، حضرت سلیمان صبح کو بیت المقدس سے نکلتے تھے اور ''قریرا'' میں دوپہر کرتے تھے، اور وہاں سے نکلتے تھے تو کابل میں رات گزارتے تھے۔

میں کہتا ہوں کہ اس روایت میں سلیمان علیہ السلام کابل میں تشریف لانے کا ذکر ہے۔ اور کابل ہندوستان اور خراسان کے درمیان برزخ ہے اور ایک مدت سے ہندوستانی مملکت کا حصہ ہے۔ اور اس روایت سے اس کا اس زمین سے ہونا پتہ چلتا ہے جس کا ذکر اللہ سبحانہ تعالیٰ نے اپنے اس قول میں کیا ہے ''ہم نے سلیمان کے لئے تیز چلنے والی ہوا کو مسخر کر دیا تھا جو ان کے حکم سے اس زمین تک چلتی جس میں ہم نے برکت رکھی ہے۔(۱)

مسند امام احمد میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں کہ: رسول اللہ ﷺ نے ہمیں ہندوستان میں جہاد کرنے کا مژدہ دیا ہے اگر میں (وہاں) شہید ہوگیا تو سب سے بہتر شہدا میں سے ہوں گا۔ اور اگر میں لوٹا تو آزاد ابو ہریرہ ہوں گا۔(۲) سیرت حلبی کے آٹھویں باب میں ہے کہ نسائی اور طبرانی نے مضبوط سند کے ساتھ رسول اللہ صلی

---

(۱) الانبیاء:۸۱۔

(۲) مسند امام احمد میں یہ روایت اصلا موجود نہیں ہے، اور مصنف علیہ الرحمہ سے غالبا سہو ہوگیا ہے۔ م۔ البتہ امام نسائی نے اسے اپنی سنن میں ذکر کیا ہے۔ دیکھئے: کتاب الجهاد، باب غزوة الهند، بشرح السيوطي وحاشية السندي، (بيروت: دار إحياء التراث العربي، د.ت.)، ۶:۴۲، ۴۳۔

Scanned by CamScanner

اللہ علیہ وسلم کے خادم ثوبان سے روایت کی ہے انھوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت کے دو گروہ کو اللہ نے جہنم سے بچالیا ہے، ایک وہ گروہ جو ہندوستان مین جہاد کرے گا، اور دوسرا وہ جو عیسیٰ ابن مریم کے ساتھ ہوگا۔(۱) اور سید محمد برزنجی مدنی کی کتاب ''الإشاعة فی إشراط الساعة'' میں مہدی رضی اللہ عنہ کے بیان میں ہے کہ: پھر مہدی کے لئے زمین تیار کی جائے گی اور ''یلقی الإسلام بجرانه'' یعنی اسلام مطمئن ہو جائے گا، اور تمام بادشاہان زمین اسلام کے مطیع ہو جائیں گے۔ ایک لشکر ہندوستان بھیجا جائے گا جو اسے فتح کرے گا، اور شاہان ہند پا بہ سلاسل لائے جائیں گے۔ اور ہندوستان کا خزانہ بیت المقدس منتقل کیا جائے گا۔ جس سے بیت المقدس کو آراستہ کیا جائے گا۔

میں کہتا ہوں کہ: ''الجران'' زیر کے ساتھ، اونٹ کی گردن کو کہتے ہیں اور اونٹ جب آرام کرنا چاہتا ہے تو اپنی گردن ڈال دیتا ہے ابوتمام طائی کہتا ہے۔(۲)

تعسفتها و اللیل ملق جرانه   وجوزائه(۳) فی الافق حین استقلت

یعنی مہدی علیہ السلام کی موجودگی سے اسلام مستریح و مطمئن ہو جائے گا۔ قاضی بیضاوی رحمہ اللہ(۴) نے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان: ''وما تدری نفس بأی أرض تموت ''(۵) کی تفسیر میں کہا ہے کہ: روایت ہے کہ ملک الموت ایک بار سلیمان علیہ

(۱) سنن النسائي، کتاب الجهاد، باب غزوة الهند، ۶: ۴۲۔

(۲) شرح دیوان ابی تمام، علامہ تبریزی، قاہرہ: دار المعارف، ۱۹۵۱ء، ۳۰۷۔

(۳) اصلا: جوزاءہ۔

(۴) ابوالخیر ناصر الدین عبداللہ بن عمر، شیراز کے قریب بیضاء میں پیدا ہوئے، اور تبریز میں ۶۸۵ھ میں وصال ہوا۔ دیکھئے: الأعلام، ۴: ۱۱۰۔

(۵) لقمان: ۳۴۔ (یعنی کسی جان کو یہ پتہ نہیں ہے کہ کس جگہ پر مرے گی۔)

Scanned by CamScanner

السلام کے پاس سے گزرے تو سلیمان علیہ السلام کے ساتھیوں میں ایک کی طرف غور سے دیکھنے لگے۔اس شخص نے پوچھا یہ کون ہے، فرمایا: ملک الموت، تو اس نے کہا کہ لگتا ہے یہ مجھے ہی چاہ رہے ہیں، لہٰذا ہوا کو حکم دیجئے کہ وہ مجھے اٹھا کر ہندوستان پہنچا دے، تو سلیمان علیہ السلام نے اس کی خواہش پوری کر دی ملک الموت نے کہا کہ میں اس شخص کو تعجب کے سبب دیکھ رہا تھا کیونکہ مجھے ہندوستان میں اس شخص کی روح قبض کرنے کا حکم دیا گیا ہے، اور یہ آپ کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔(۱) شیخ عبدالحق دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''جذب القلوب إلى ديار المحبوب'' میں جو فارسی زبان میں کہا ہے میں اسے عربی میں ترجمہ کرتا ہوں۔

ہجرت کے دسویں سال یعنی حج وداع والے سال میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خالد کو نجران کے (قبیلہ) بنو حارث کی طرف بھیجا تو وہ اسلام لے آئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے جب حضور نے اس وفد کو دیکھا تو فرمایا: یہ لوگ کون ہیں گویا یہ ہندوستانی ہیں۔(۲)

صحیح بخاری کے کتاب الانبیاء میں حضرت عیسیٰ کے ذکر میں ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ: اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: میں نے موسیٰ و عیسیٰ اور ابراہیم کو دیکھا تو عیسیٰ سرخ، گھنگھرالے بالوں والے اور چوڑے سینے والے تھے، اور موسی گیہواں رنگ

---

(۱) انوار التنزیل واسرار التاویل معروف بہ تفسیر بیضاوی، تحت آیت ''وما تدری نفس....'' لقمان: ۳۴۔

(۲) جذب القلوب، دہلی: مطبع ناصری، ۱۲۸۲ھ، ۶۵۔

امام ترمذی نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ حدیث تخریج کی ہے، فرماتے ہیں کہ: ''دریں اثنا کہ میں 'خطی' میں بیٹھا تھا میرے پاس کچھ لوگ آئے گویا وہ 'زط' ہوں'' دیکھئے: تحقیق وتعلیق: ابراھیم عطوۃ عوض، بار دوم؛ قاھرۃ: مطبعۃ مصطفیٰ بابی حلبی، ۱۹۷۵م، کتاب الأمثال، الباب الأول، ۴: ۱۴۶۔

(۳) صحیح بخاری، کتاب احادیث الانبیاء، حدیث رقم: ۳۱۸۳۔

Scanned by CamScanner

کے، بھاری بدن والے، اور طویل تھے، جیسے وہ ''زط'' ہوں۔(۳) اور قاموس میں ہے السبط 'کتف' کے وزن پر طویل کے معنی میں ہے، اور ''سبط الجسم'' کا معنی حَسَن القد ہے۔(۱) اور قاموس میں ہے کہ ''الزط'' پیش کے ساتھ ہندوستان کی ایک نسل ہے یہ ''جت'' (جاٹ) کا معرب ہے۔(۲) اور قیاس کا تقاضہ ہے معرب (زط) بھی زبر کے ساتھ ہو۔ اور ''المغرب'' میں ہے: الزط ہندوستان کی ایک نسل ہے اور انھیں کی طرف ''الثیاب الزطیہ'' (زطی کپڑے) کی نسبت کی جاتی ہے۔ اور ابوریحان محمد بن احمد بیرونی کی کتاب ''القانون المسعودی'' میں ہے: لوہاور یہ ''زط'' کا شہر ہے اور جندراہ اور بیاہ دریا کے بیچ واقع ہے۔(۳) اور ''لوامع النجوم'' میں ہے: الزط سند کے سیاہ رنگ والوں کی ایک نسل ہے۔(۴) صاحب قصیدۂ بانت سعاد کعب بن زہیر نے کہا ہے۔

اِنَّ الرَّسُوْلَ لَنُوْرٌ یَسْتَضَاءُ بِهٖ　　　مُهَنَّدٌ مِنْ سُیُوْفِ اللّٰهِ مَسْلُوْلُ

جوہری کے مطابق ''مہند'' ہندوستانی لوہے سے بنی تلوار کو کہتے ہیں، سید محمد برزنجی نے اپنے بعض رسائل میں کہا ہے، جسے میں مصنف رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ سے لکھے ہوئے

---

(۱) قاموس، ۸۶۳۔ لیکن بخاری شریف میں لفظ ''سبط'' بفتح اول وسکون ثانی وارد ہوا ہے، جس کا معنی لغت اور شروح بخاری میں: کھلے ہوئے، ڈھیلے اور غیر گھنگرالے کے ہیں، خود قاموس میں لفظ کا باء کے سکون اور زیر دونوں صورت میں، جو پہلا معنی دیا ہے وہ ہے: ''نقیض الجعد'' اور یہی قرین قیاس بھی ہے کیونکہ حضرت عیسی علیہ السلام کے بالوں کو جعد یعنی گھنگرالا فرمایا ہے۔

(۲) قاموس، ۸۶۳۔

(۳) القانون المسعودی، باراول؛ حیدرآباد: دائرۃ المعارف العثمانیہ، ۱۹۵۵ء، ۲: ۵۶۲

(۴) آزاد نے مغرب اور لوامع النجوم کے حوالے سے جو ذکر کیا ہے وہ بعینہ ابن منظور کی لسان العرب میں موجود ہے، لکھتے ہیں: "الزط جیل أسود من السند و الیهم تنسب الثیاب الزطیة"، دیکھئے :القاہرۃ: الدار المصریۃ للتالیف والترجمۃ، غیر مورخ، ۹: ۱۷۹۔

Scanned by CamScanner

مسودے سے نقل کررہا ہوں جسکو میں نے مدینہ منورہ میں پایا تھا، اسے روشن کرنے والے پر دورودوسلام ہو: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں قصائد (۱) پڑھے جاتے تھے اور آپ ان (شعراء) کے کلام کی اصلاح فرماتے تھے، جیسا کہ آپ نے ابن زہیر کے قصیدے کی اصلاح فرمائی اور ''سیوف الھند'' کو سیوف اللہ سے بدل دیا۔

میں کہتا ہوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اصلاح کی غالبًا یہ وجہ تھی کہ کلام میں کوئی ایسا لفظ نہ آئے جولا حاصل ہو کیونکہ مہند تو خود ہی ہندوستانی لوہے سے بنی تلوار کو کہتے ہیں جیسا کہ جوہری کے حوالے سے گزر چکا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ کسی بھی طبع سلیم اور فہم مستقیم سے یہ بات پوشیدہ نہ ہوگی کہ شیخ عبدالحق دہلوی کی روایت میں یمن کے لوگوں کو، جن کے بارے میں آیا ہے کہ: ایمان یمنی ہے اور حکمت یمنی ہے، (۲) ہندوستان کے لوگوں سے تشبیہ دینا، اور بخاری کی روایت میں موسیٰ علیہ السلام کی ذات نبوی مقدس کو (ہندوستان کی ایک نسل سے) تشبیہ دنیا اور کعب بن زہیر کے شعر میں آنحضرت کو ''سیف مہند'' سے تشبیہ دینا، اور اس (شعر) کو آنحضرت (ﷺ) کی بارگاہ میں پڑھا جانا، آپ کا اسے پسند فرمانا اس کی اصلاح کرنا ، اور اس کے قائل کو ردائے عنایت عطا کرنا وغیرہ بڑی اہمیت کی باتیں ہیں۔ اور ان تمام تشبیہات میں ہر بعد والی تشبیہ کا درجہ پہلی والی سے بلند ہے۔ (ان سب سے) اس علاقے کو سعادتوں اور برکتوں میں سے (وافر) حصہ حاصل ہوا۔

اس رسالہ کے مؤلف عفی عنہ نے کہا ہے:

یا أیھاالنجد حیاك الغمام لقد   شبھتھا بظباء فیك فافتخر

---

(۱) دونوں مطبوعہ نسخوں (علی گڑھ و بمبائی) میں عقائد لکھا ہے جو بداہۃً غلط ہے۔

(۲) صحیح بخاری، کتاب المناقب، حدیث رقم: ۳۲۳۸؛ وصحیح مسلم، کتاب الایمان، حدیث رقم: ۷۳۔

Scanned by CamScanner

(اے نجد (کی زمین) بادل تجھے زندگی عطا کریں، میں نے اپنے محبوب کو تیرے ہرنوں سے تشبیہ دی ہے لہذا تجھے فخر کرنا چاہئے) یہ ہے ہندوستان کا وہ ذکر جسے میں نے محترم صحیفوں اور اہم کتابوں میں پایا ہے، اور یہ رسالہ اتوار کے دن اکیس شعبان المعظم ۱۱۶۳ھ کو دار فتوحات ارکاٹ میں مکمل ہوا تمام آفات سے اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت کرے۔ رسالہ ختم ہوا۔

جانو! کہ اس رسالے میں جب بھی میں نے یہ کہا ہے کہ "قال السیوطي" (سیوطی نے فرمایا) تو اس سے مراد ان کی تفسیر "الدر المنثور" ہے اور باقی اقوال جن کتابوں سے منقول ہیں ان کے حوالے سے ذکر کئے گئے ہیں۔

رسالے کی تالیف اور اس کی شہرت کے بعد شیخ اسماعیل شافعی سورتی نے مجھ سے ملاقات کی اور بتایا، اور ان کی بات درست اور قابل اعتماد ہے، کہ میں نے ۱۱۵۳ھ میں بذریعہ کشتی سرندیپ کا سفر کیا۔ بیس دن میں کشتی قالی بندرگاہ پہنچی جو بحر اعظم (ہند) کے ساحل پر واقع ہے۔ بندرگاہ اور اس پہاڑ کے درمیان جس پر آدم علیہ السلام اترے تھے دس میل کا فاصلہ ہے، وہ پہاڑ بندرگاہ سے نظر آتا ہے۔ اور سرندیپ کی سرزمین جواہرات سے بھری ہوئی ہے۔ اس کا راجہ ہندو قوم سے تعلق رکھتا ہے۔ جو بتوں کو پوجتی ہے۔ اس قوم کو چنگلہ کہا جاتا ہے اور (لفظ) "چنگلہ" فارسی جیم کے زیر اور نون غنہ اور فارسی کاف کے سکون ساتھ کے، اور نون غنہ میں اجتماع ساکنین ہندوستانی زبان میں آتا ہے، اور لام کے زبر اور غیر ملفوظ ھاء کے ساتھ (بولا جاتا) ہے۔ ہاء لفظ کے آخر میں لکھی جاتی ہے مگر بولی نہیں جاتی صرف اس بات کے اشارے کے لئے ہوتی ہے کہ اس سے پہلے کے حرف زبر ہے۔ اور سرندیپ کا راجہ کسی اجنبی کو خواہ مسلم ہو یا غیر مسلم، اپنے ملک میں داخل نہیں ہونے دیتا۔ یہ احتیاط کے طور پر ہے۔ اور تاجر لوگ جو سرندیپ کا سفر کرتے ہیں وہ

Scanned by CamScanner

بندگاہوں سے آگے نہیں بڑھتے ہیں، شاذونادر کوئی وسیلہ سے اندر چلا جاتا ہو۔ قالی کی بندرگاہ پر دلندیزیوں (۱) کا اختیار ہے۔

یہ ایک عیسائیوں کا ایک گروہ ہے۔ لیکن یہ لوگ سرندیپ کے راجہ کے تابع ہیں اور اسے سالانہ خراج دیتے ہیں۔ یہ سب میں نے شیخ اسماعیل سورتی سے سنا ہے۔ بعدازیں اتفاق سے مولانا سید قمرالدین اورنگ آبادی سلمہٗ ۱۱۷۵ھ میں سرندیپ گئے۔ ان کا تذکرہ فضلا کے ذکر پر مشتمل فصل میں آگے آئیگا۔ (۲) ان کی سوانح میں ہی ذکر کروں گا کہ وہ وہاں کیسے پہنچے۔ مولانا سلمہٗ کہتے ہیں کہ سرندیپ خط استواء کے قریب ایک وسیع جزیرہ ہے، جس کی لمبائی پچاس دن کا سفر ہے اس کے چاروں طرف بہت سی بندرگاہیں ہیں، انہیں میں سے قالی ہے جس کا ذکر گزر چکا ہے۔ اور کولنبا (غالبا کولمبو) ہے۔ کاف کے پیش، واو کے سکون، لام کے زبر، نون کے سکون اور الف مقصورہ کیساتھ، یہ خوب آباد اور انتہائی حسین وجمیل ہے۔ اس کا عرض (البلد) چھ ڈگری ہے۔ اس میں عجیب وغریب اور مختلف قسم کے درخت ہیں۔ سرخ زمین ہے اور اس پر سبز پیڑ ہیں، ان دونوں رنگوں کے اجتماع سے عجیب کیفیت حاصل ہوتی ہے۔ مولانا سید کی کشتی کولنبا پہنچی تھی اور وہ وہیں اترے۔ انھون نے بتایا کہ: قدم آدم علیہ السلام سرندیپ میں دو مقام پر ہے جن کی زیارت ہوتی ہے۔ کولنبا سے پہلے قدم کی جگہ ایک دن اور دوسرے کی جگہ تین دن کے سفر کی دوری پر ہے۔ مولانا سید قدم آدم کی زیارت نہیں کر سکے کیونکہ ان دنوں ولندیزیوں کے قائد اور جنگلہ قوم کے سرندیپ کے راجہ کے درمیان کشیدگی کے سبب راستہ بند تھا۔ کولنبا میں مسلمانوں کے دو محلے ہیں جن کے درمیان فاصلہ ہے اور ان دونوں محلوں میں

---

(۱) ولندیز: ہالینڈ (نیدرلینڈ) کا قدیم نام ہے، یورپ کا مشہور ملک ہے۔

(۲) سبحۃ المرجان (ممبائی)، فصل ثانی، ۱۰۱۔

Scanned by CamScanner

مسجد ہے جو پانچوں وقت اور جمعہ کی نماز سے آباد رہتی ہے۔ مسلمانوں کی تعداد کم ہونے کے سبب ان دونوں مسجدوں میں باری باری (جمعہ کی) نماز پڑھی جاتی ہے۔ مولانا سید نے ان کے ساتھ تین بار جمعہ کی نماز پڑھی۔ وہ لوگ خطبے میں ہندوستان کے بادشاہ کا اور ترکی کے سلطان کا ذکر کرتے ہیں، کیونکہ وہ خادم حرمین شریفین ہے۔ اللہ دونوں حرم کے جاہ جلال کو بڑھائے۔ اور حیرت انگیز بات یہ ہے کہ ولندیزیوں کا قائد جمعہ کے دن ایک عیسائی کو مقرر کرتا ہے جو مسجد کے دروازے پر بیٹھ کر نماز کے لئے آنے والوں کا نام لکھتا ہے، اگر مسلمانوں میں سے کوئی حاضر نہیں ہوتا ہے تو اس سے باز پرس ہوتی ہے۔ اور یہاں رہنے والے سارے مسلمانوں کے نام عیسائی سربراہ کے پاس لکھے ہوئے ہیں۔ اور مولانا سید نے بچشم خود مشاہدہ کیا ہے کہ شب و روز میں کئی بار بادل اٹھتے ہیں اور زور کی بارش ہوتی ہے۔

اس رسالے کی تصنیف کے بعد یہ بھی پیش آیا کہ بخارا اور سمرقند کی ایک جماعت نے یہ اعتراض کیا کہ ہندوستان کی زمین پر اللہ کا غضب ہے کیونکہ حالت غضب وغصہ میں اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے آدم کو اتارا، تو میں نے ان سے کہا کہ حواء کو تو اللہ سبحانہٗ نے جدہ میں اتارا ہے اور یہ مکہ کی زمین ہے جو تمام زمینوں سے اشرف واعلیٰ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر غور کیا جائے تو معلوم ہو کہ آدم وحوا کے زمین پر اتارے جانے کا ظاہری سبب تو درخت سے کھانا ہے جس سے منع کیا گیا تھا، لیکن باطنی سبب کچھ اور ہے اور وہ بارگاہ واحدیت کا یہ ارادہ ہے کہ اس کے شئون منصۂ وجود پر چمکیں، اور اس کی تجلیات محفل شہود ومشاہدہ میں ظاہر ہوں۔ ہاں! اگر آدم علیہ السلام نہ اترتے تو اس ویرانے کو آبادی سے زینت کون دیتا اور انسان کے ساتھ مخصوص تخلیقی بدائع وعجائب کو کون ظاہر کرتا۔ اور یہ چیز بھی واضح رہے کہ بنی نوع انسان سب کے سب ہندوستانی ہیں، کیونکہ ان کے باپ آدم علیہ السلام

Scanned by CamScanner

ہندوستانی تھے، وہ آخری عمر تک ہندوستان میں قیام پذیر رہے۔ اور جب ان کی اولاد بہت بڑھ گئی تو وہ ہندوستان سے ساتوں اقلیموں میں پھیل گئی۔

علاوہ ازیں رسالے کی تصنیف کے بعد میں نے نور محمدی کے صلب آدم میں ڈالے جانے سے ایک صحیح قیاس کا استخراج کیا ہے جو منطقی قواعد پر مبنی ہے۔ اور اس قیاس کی تفصیل یہ ہے کہ نور محمد آدم میں داخل ہوا، اور آدم ہندوستان میں داخل ہوئے۔ اس (قیاس) کا نتیجہ ہوا کہ نور محمد ہندوستان میں داخل ہوا۔ دونوں پر اللہ کا درود وسلام ہو۔ اور یہ قیاس مساوات کے طریقے پر ہے جس میں صغری (۱) کے محمول (۲) کے بجائے اس کا متعلق کبری (۳) کا موضوع ہوتا ہے اور اس قیاس کا نتیجہ دینا ایک مقدمہ (قضیہ) پر موقوف ہوتا ہے، اور نتیجے کی صحت وعدم صحت کا دارومدار اسی کی صحت اور عدم صحت پر ہوتا ہے اور چونکہ اکثر اس کے لئے مساوات کی مثال دی جاتی ہے اسی لئے اسے قیاس مساوات کہتے ہیں۔ مثلاً الف مساوی ہے ب کے اور ب مساوی ہے جیم کے۔ یہ قیاس، اس مقدمہ کے توسط سے کہ: مساوی کا مساوی مساوی ہوتا ہے، یہ نتیجہ دیگا کہ: الف مساوی ہے جیم کے۔ اور یہ نتیجہ صادق ہے کہ کیونکہ مقدمہ متوسطہ صادق ہے۔ اور اس کے برخلاف اگر کہا جائے کہ: الف نصف ہے ب کا اور ب نصف ہے جیم کا تو یہ قیاس اس مقدمہ کے توسط سے کہ نصف کا نصف نصف ہوتا ہے، یہ نتیجہ دیگا کہ: الف نصف ہے جیم کا، لیکن یہ غلط نتیجہ ہوگا کیونکہ مقدمہ متوسطہ (۴) غلط ہے صحیح یہ ہے کہ نصف کا نصف ربع ہوتا

---

(۱) قیاس کا پہلا قضیہ یا، مقدمہ یعنی: نور محمد آدم میں داخل ہوا۔

(۲) آدم میں داخل ہوا۔

(۳) قیاس کا دوسرا قضیہ یا مقدمہ یعنی: آدم ہندوستان میں داخل ہوئے۔

(۴) یعنی: نصف کا نصف نصف ہوتا ہے۔

(۵) یعنی آزاد کے پیش کردہ قیاس میں۔

Scanned by CamScanner

ہے۔ یہاں (۵) مقدمہ (متوسطہ) صادق ہے اور وہ یہ ہے کہ جو (چیز) کسی شئی میں داخل ہو اس شئی کا محل (مکان دخول) اس (چیز) کا بھی محل ہوتا ہے اور اس کی صداقت ظاہر ہے اسی سلسلے میں میں نے کہا ہے:

قد أودع الخلاق آدمَ نوره | متلالأً كالكوكب الوقاد
و الهند مهبط جدنا ومقامه | قول صحيح جيد الأسناد
فسواد أرض الهند ضاء بداية | من نور أحمد خيرة الأمجاد

(بنانے والے نے آدم کے اندر اپنا نور رکھ دیا۔ روشن ستارے کی طرح چمکتا ہوا، ہندوستان ہمارے جدامجد کی جائے نزول اور قیام گاہ ہے، یہ صحیح قول ہے اور اس کی سند مضبوط ہے۔ تو ہندوستان کی سرزمین سب سے پہلے نور محمد ﷺ سے ضیا بار ہوئی جو سب عظمت والوں سے بہتر ہیں۔)

ختم شد

Scanned by CamScanner